تدبّرِ قرآن

۲۵

الفرقان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ سورتوں کے چوتھے گروپ پر ایک اجمالی نظر

سورہ فرقان سے سورتوں کا چوتھا گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس میں آٹھ سورتیں ـــ فرقان، شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، سجدہ ـــ مکی ہیں، آخر میں صرف ایک سورہ ـــ احزاب ـــ مدنی ہے۔ سورتوں کے جوڑے جوڑے ہونے کا اصول دوسرے گروپوں کی طرح اس میں بھی مرعی ہے۔ البتہ سورۂ احزاب کی حیثیت خلاصۂ بحث یا سورۂ نور کی طرح تکملہ و تتمہ کی ہے۔ اسلامی دعوت کے تمام ادوار ـــ دعوت، ہجرت، جہاد ـــ اور تمام بنیادی مطالب ـــ توحید، رسالت، معاد ـــ اس میں بھی زیر بحث آئے ہیں البتہ اسلوب، انداز اور مواد استدلال دوسرے گروپوں سے اس میں فی الجملہ مختلف نظر آئے گا۔

اس گروپ کا جامع عمود اثباتِ رسالت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کے وحی الٰہی ہونے کے خلاف قریش اور ان کے حلیفوں نے جتنے اعتراضات و شبہات اٹھائے اس گروپ کی مختلف سورتوں میں، مختلف اسلوبوں سے، ان کے جواب بھی دیے گئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا اصل مرتبہ و مقام بھی واضح فرمایا گیا ہے۔ اسی کے ضمن میں قرآن پر ایمان لانے والوں کو، مرحلۂ امتحان سے گزرنے کے بعد، دنیا اور آخرت دونوں میں فوز و فلاح کی بشارت دی گئی ہے اور جو لوگ اس کی تکذیب پر اڑے رہیں گے، اتمام حجت کے بعد، ان کو ان کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔

یہ پورے گروپ پر ایک اجمالی نظر ہے۔ اب ہم اللہ کا نام لے کر گروپ کی ایک ایک سورہ کی الگ الگ تفسیر شروع کرتے ہیں۔

ب۔ سورہ کا عمود

اس سورہ کا عمود قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع ہے۔ مخالفین نے جو شبہات و اعتراضات، قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اٹھائے وہ اس میں نقل کر کے ان کے جواب دیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی مخالفین کے اعتراضات و الزامات کے اصل محرکات کا بھی پتہ دیا گیا ہے اور قرآن کی جن باتوں سے وہ خاص طور پر متوحش تھے ـ مثلاً

دعوتِ توحید یا انذارِ عذاب، وہ مزید دلائل سے مبرہن کی گئی ہیں۔

ج۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کا تجزیہ یہ ہے۔

(۱-۹) قرآن کا نزول سب سے بڑی برکت والی ہستی کی طرف سے سب سے بڑی برکت و رحمت کا نزول ہے لیکن توحید اور قیامت کے منکرین اس کو افتراء اور سازش قرار دے رہے ہیں۔ ان باتوں کا حوالہ جو مخالفین آنحضرت صلعم اور قرآن سے برگشتہ و بدگمان کرنے کے لیے لوگوں میں پھیلاتے تھے۔

(۱۰-۳۴) مخالفین کے اعتراضات و مطاعن کا جواب، اور اس مخالفت کے پس پردہ محرک کی طرف اشارہ۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو صبر و استقامت کی تلقین اور تکذیب کرنے والوں کے انجام بد کا بیان۔

(۳۵-۴۴) رسولوں اور ان کے مکذبین کی تاریخ کی طرف ایک اجمالی اشارہ جس سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو صبر و استقامت کی تلقین ہے کہ جو لوگ اس کتاب کی تکذیب کر رہے ہیں یہ نہ خیال کرو کہ یہ سننے سمجھنے والے لوگ ہیں۔ یہ چوپایوں سے بھی زیادہ لایعقل اور اپنی خواہشوں کے غلام ہیں۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ تم ان پر حجت تمام کر دو۔ یہ اسی راہ پر چلیں گے جس پر چل رہے ہیں اور اسی انجام سے دوچار ہوں گے جو ان کے لیے مقدر ہے تم اپنے فرض کی ادائیگی کے ذمہ دار ہو، ان کے رخ موڑ دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔

(۴۵-۶۰) قرآن کی دعوت کے اساسی مسائل ——— توحید اور معاد ——— کے اثبات میں آفاق کے بعض دلائل کی طرف اشارہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی تلقین کہ مخالفین کے مطالبۂ معجزات سے بے پروا ہو کر اسی قرآن کے ذریعہ سے ان پر اتمام حجت کرو۔ اس قرآن میں گوناگوں اسالیب سے وہ ساری باتیں واضح کر دی گئی ہیں جن کا واضح ہونا اتمام حجت کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے۔ اگر لوگ اس کو نہیں مانتے تو تمہارا کام صرف انذار و تبشیر ہے۔ تم اپنا فرض ادا کر کے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، ان بے سروپا اعتراضات کو کوئی اہمیت نہ دو جو انھوں نے محض قرآن کی مخالفت کے لیے بطور بہانہ ایجاد کیے ہیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

(۶۱-۷۷) اس دنیا کے روز و شب تذکیر و تنبیہ کے لیے کافی ہیں بشرطیکہ انسان یاددہانی حاصل کرنا اور اپنے رب کا شکر گزار بندہ بننا چاہے۔ جن لوگوں کے اندر انابت اور خشیت ہوتی ہے وہ اس طرح اکڑا نہیں کرتے جس طرح یہ متمردین اکڑ رہے ہیں بلکہ ان کی روش ان سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ خدا کے ذاکر و شاکر بندوں کی صفات کا بیان۔ آخر میں متمردینِ قریش کو تنبیہ کہ تمھیں جو اس درجہ اہمیت دی گئی اور تمھارے لیے تعلیم و دعوت کا یہ اہتمام کیا گیا تو اس لیے نہیں کہ تمھارے بغیر خدا کا کوئی کام بند ہے یا بند ہو جائے گا بلکہ مقصود صرف تمھاری صلاح و فلاح تھی۔ اب اگر تم خدا کی اس نعمت کی قدر نہیں کر رہے ہو تو وہ چیز لازماً پیش آکے رہے گی جو اس ناقدری کا لازمی نتیجہ ہے۔

مطالب کے اس تجزیہ سے سورہ کا عمود اور نظام اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔ اب ہم اللہ کا نام لے کر سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ واللہ الموفق للخیر والسداد۔

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ (٢٥)

مَكِّيَّةٌ ــــــــــــــــ اٰيَاتُهَا ٧٧

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات ۱-۹

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ
نَذِيْرًا ﴿١﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ
وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ
تَقْدِيْرًا ﴿٢﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ
يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ
مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿٣﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ
اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ
ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿٤﴾ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى
عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٥﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٦﴾ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا
الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ
مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ﴿٧﴾ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ
جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿٨﴾

ع ۱۹ انْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿۹﴾

ترجمۂ آیات ۱-۹

بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کے درمیان امتیاز کر دینے والی کتاب اتاری تاکہ وہ اہلِ عالم کے لیے ہوشیار کر دینے والا بنے! وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس نے اپنے لیے کوئی اولاد نہیں بنائی اور اس کی بادشاہی میں کوئی اس کا ساجھی نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک خاص اندازہ ٹھہرایا۔ اور لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود بنائے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، وہ خود مخلوق ہیں اور جو خود اپنے لیے بھی نہ کسی ضرر پر اختیار رکھتے ہیں نہ کسی نفع پر اور نہ ان کو موت پر کوئی اختیار ہے نہ زندگی پر اور نہ مرنے کے بعد زندہ کرنے پر۔ ۱-۳

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ محض جھوٹ ہے جس کو اس شخص نے گھڑا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے ظلم اور جھوٹ دونوں باتوں کا ارتکاب کیا! اور کہتے ہیں کہ یہ اگلوں کے فسانے ہیں جو اس نے لکھوائے ہیں تو وہ اس کو صبح اور شام لکھ کر تعلیم کیے جاتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اس کو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید کو جانتا ہے۔ بے شک وہ بڑا ہی غفور رحیم ہے! ۴-۶

اور کہتے ہیں کہ کیا بات ہے اس رسول کی کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے! اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ لوگوں کو ڈرانے والا بنتا! یا اس کے لیے کوئی خزانہ اتارا جاتا یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا جس سے وہ اپنی معاش حاصل کرتا! — اور ان ظالموں نے کہا کہ تم لوگ تو بس ایک سحر زدہ شخص کے پیچھے لگ لیے ہو! دیکھو، تمھارے اوپر کیسی کیسی پھبتیاں چُست کر رہے ہیں! پس یہ بالکل کھوئے گئے ہیں اور کوئی راہ

نہیں پا رہے ہیں۔ ۷۔ ۹

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (۱)

قرآن اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے

جس طرح 'تعاظم' اور 'تعالیٰ' اور اس باب کے دوسرے صیغوں کے اندر مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے اسی طرح 'تبارک' کے اندر بھی مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی بڑی ہی بابرکت اور بافیض ہستی ہے وہ جس نے لوگوں کے انذار کے لیے، اپنے بندے پر، ایک ایسی کتاب اتاری جو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کے لیے ایک حجت قاطع کی حیثیت رکھتی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس نعمت کی قدر اور اس کتاب کی روشنی میں اپنی گمراہیوں کی اصلاح کریں، طرح طرح کے اعتراضات اٹھا کر اس کی مخالفت اور اللہ کے رسول سے کسی معجزے یا کسی نشانیِ عذاب کا مطالبہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو اس کتاب کے بجائے وہ اپنے رسول کو کسی تازیانۂ عذاب سے مسلح کر کے بھی بھیج سکتا تھا، اس کے لیے یہ کام ذرا بھی مشکل نہیں تھا، لیکن اس نے اپنی عظیم مہربانی کی وجہ سے یہ پسند فرمایا کہ وہ لوگوں کو ایک ایسی روشنی دکھائے جو لوگوں کو پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کر کے فوز و فلاح کی راہِ سعادت کی طرف رہنمائی کرے۔ قرآن کو 'فرقان' کے لفظ سے تعبیر کر کے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ یہ کتاب اپنے دعاوی اور اپنے پیش کرنے والے کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے بجائے خود دلیل و حجت ہے، یہ کسی خارجی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو رسول کے ہاتھوں تقسیم ہونے والی اس نعمتِ عظمیٰ سے متمتع ہونے کے بجائے اس سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کریں جو ان کے لیے خیر کے بجائے تباہی کا باعث ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک خاص برمحل التفات

'عَلٰى عَبْدِهٖ' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک خاص التفات پایا جاتا ہے۔ اس التفات کا یہاں ایک خاص محل ہے۔ آگے کفار کے وہ اعتراضات نقل ہوئے ہیں جو وہ نہایت تحقیر آمیز انداز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے تھے۔ یہ اعتراضات زیادہ تر مکہ اور طائف کے دولت مندوں کے اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ اپنی مالی برتری کے گھمنڈ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی اسباب و وسائل سے بے تعلقی پر خاص طور پر چوٹیں کرتے اور اس چیز کو آپ کی رسالت کی تردید کی ایک بہت بڑی دلیل کی حیثیت سے پیش کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں متکبرین کی اسی ذہنیت کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص پر 'فرقان' کی شکل میں جو نعمتِ عظمیٰ اتاری ہے اس کے بعد وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ خلق کے انذار کے وہ جس مشن پر مامور ہے اس کی تکمیل کے لیے وہ جس زاد و راحلہ کا محتاج ہے وہ سب بدرجۂ کمال اس کے پاس موجود ہے۔

یہ آیت اس سورہ کی تمہید ہے۔ اس کے یہ مضمرات جو ہم نے واضح کیے ہیں وہ آگے کے مباحث سے ان شاء اللہ مزید واضح ہو جائیں گے۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (۲)

قرآن کسی سائل کی درخواست نہیں بلکہ خالق کائنات کا فرمان واجب الاذعان ہے۔

اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی فیض بخشی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اب یہ اپنی توحید اور کبریائی و یکتائی کا حوالہ دیا ہے جس سے مقصود اس حقیقت کی یاد دہانی ہے کہ جس نے خلق کے انذار و تذکیر کے لیے یہ کتاب اتاری ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس وجہ سے کوئی اس کتاب کو کسی سائل کی درخواست نہ سمجھے بلکہ یہ اس کائنات کے بادشاہِ حقیقی کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ اگر اس کی تکذیب کی گئی تو جس نے اس کو اتارا ہے وہ اس کی تکذیب کا انتقام لینے کے لیے کوئی کمزور ہستی نہیں ہے۔ وہ اس کا انتقام لے گا اور جب انتقام لے گا تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہ بن سکے گا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ یعنی اگر کسی نے اس کے بیٹے بیٹیاں فرض کر کے ان کی عبادت شروع کر رکھی ہے اور اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ اس کو خدا کی پکڑ سے بچا لیں گے تو وہ اس خیالِ خام کو دل سے نکال دے۔ نہ خدا کے کوئی بیٹی ہے نہ بیٹا، نہ اس کی بادشاہی میں کوئی اور ساجھی ہے۔ وہ اپنی بادشاہی کا یکہ و تنہا مالک ہے، وہ کسی مددگار و شریک کا محتاج نہیں ہے۔

خدا کی یکتائی کی دلیل

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۔ یہ اس کی توحید و یکتائی کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔ مجال نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کے ٹھہرائے ہوئے اندازہ سے سرمو کم و بیش یا آگے پیچھے ہو سکے۔ انسان کو پیدا کیا تو اس کے لیے زندگی اور موت کی ایک حد معین کر دی، کوئی اس حد سے باہر نہیں نکل سکتا۔ ابر و ہوا سب اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کے پابند ہیں۔ سورج اور چاند، جن کو نادانوں نے معبود بنا کر پوجا، ایک مخصوص محور و مدار کے ساتھ لگے بندھے ہوئے ہیں اور اپنے وجود سے شہادت دے رہے ہیں کہ وہ ایک خدائے عزیز و حکیم کے پیدا کیے ہوئے اور اسی کے مقرر کیے ہوئے حدود و قیود کے پابند ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف دوسرے مقام میں یوں توجہ دلائی ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یٰس: ۳۸)

اور سورج اپنے ایک معین مدار پر گردش کرتا ہے۔ یہ خدائے عزیز و علیم کی منصوبہ بندی ہے!

اس سے زیادہ وسیع الفاظ میں یہی بات یوں فرمائی گئی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ز وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر: ۲۱)

اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں لیکن ہم ان کو ایک خاص اندازے ہی کے ساتھ اتارتے ہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (۳)

یہ اسی مضمون کی توضیح مزید ہے اور اس میں اظہار تعجب کا مضمون بھی مضمر ہے کہ اصل حقیقت تو یہ ہے جو بیان ہوئی لیکن قرآن اور رسول کے ان مخالفین کا حال یہ ہے کہ انھوں نے خدا کے سوا ایسی چیزوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جو نہ صرف یہ کہ کسی چیز کو پیدا کر سکنے پر قادر نہیں بلکہ وہ خود خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں؛ اور جو دوسروں کو کوئی نقصان یا نفع پہنچانا تو درکنار، خود اپنے کو بھی کسی نقصان سے بچانے یا کوئی نفع پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتی ہیں اور جن کو نہ موت پر کوئی اختیار، نہ زندگی پر اور نہ مرنے کے بعد زندہ کرنے پر۔ — مطلب یہ ہے کہ ایسے بے بس فرضی معبودوں کے بل پر قرآن کے پیش کردہ حقائق کو جھٹلانا محض ان کی خرد باختگی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۔ (۴)

قرآن سے عوام کو بدگمان کرنے کے لیے قریش کے لیڈروں کا پروپیگنڈا

یہ مخالفین کے وہ اقوال نقل ہو رہے ہیں جو قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو بدگمان کرنے کے لیے وہ پھیلاتے تھے۔ ہم دوسرے مقام میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ جہاں تک قرآن کے زور بیان اور اس کی تاثیر و تسخیر کا تعلق ہے اس کے انکار کی تو قریش کے لیڈروں کے اندر ہمت نہیں تھی۔ اس کے اعتراف پر تو وہ مجبور تھے۔ البتہ یہ کوشش ان کی تھی کہ ان کے عوام پر قرآن کے کتاب آسمانی ہونے کا تصور جو بیٹھتا جا رہا ہے وہ بیٹھنے نہ پائے بلکہ وہ اس کو اسی درجہ میں رکھیں جس درجہ میں اعلیٰ شاعروں یا زوردار خطیبوں کا کلام رکھا جاتا ہے۔ ان کو اصلی کد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے رسالت اور قرآن کے وحی الٰہی ہونے سے تھی۔ اس کی تردید میں وہ یہ کہتے تھے کہ قرآن کے وحی الٰہی ہونے کا دعویٰ جو کیا جاتا ہے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ یہ وحی الٰہی نہیں بلکہ (نعوذ باللہ) یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اپنے ذہن کا گھڑا ہوا کلام ہے جس کو وہ جھوٹ موٹ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں تاکہ اس طرح ہم پر اپنی برتری کی دھونس جمائیں۔

وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ۔ اپنی بات کو مدلل کرنے کے لیے ایک اور جھوٹ اس کے ساتھ وہ یہ لگا دیتے کہ اس کتاب کی تصنیف میں کچھ دوسرے لوگوں کے ذہن بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ شریک ہیں۔ اس اضافے کی ضرورت اس وجہ سے انھوں نے محسوس کی ہوگی کہ قرآن میں پچھلے انبیاء کی سرگزشتوں اور ان کی تعلیمات کے حوالے بھی تھے جن کے جاننے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ان کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر یہ وحی الٰہی نہیں ہے تو آخر یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح معلوم ہو گئیں اور وہ بھی ایسی تفصیل اور صحت کے ساتھ کہ پچھلے صحیفوں پر ایمان کے مدعیوں کو بھی اس تفصیل و صحت کے ساتھ معلوم نہیں تھیں۔ اس سوال کے جواب میں انھوں نے اس کے ساتھ اس جھوٹ کا بھی اضافہ کر دیا کہ کچھ دوسرے ہاتھ بھی اس سازش میں

شریک ہیں۔ مخالفین کے اس قول میں جو ابہام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب الزام جھوٹا ہو تو اس کے لیے ابہام ہی کا اسلوب موزوں ہوتا ہے۔ اگر اس کے لیے تصریح کا اسلوب اختیار کیا جائے تو اس کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ مخالفین کا یہ اشارہ کن لوگوں کی طرف تھا؟ اس سوال کے جواب میں ہمارے مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس ابہام کا مبہم رہنا ہی ٹھیک ہے اس لیے کہ الزام لگانے والوں کا مقصد محض ایک الزام لگانا تھا نہ کہ فی الواقع کسی شخص یا اشخاص کا سراغ دینا۔ قریش نے اس مبہم الزام سے اپنے عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہوگی کہ قرآن میں آسمانی کتابوں کے انداز کی جو باتیں اور حکمتیں ہیں ان کو وحی کا نتیجہ نہ سمجھو بلکہ بعض اہل کتاب یا دوسری قوموں کے تعلیم یافتہ اشخاص جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی بن گئے ہیں وہ ان کو اس طرح کی باتیں بتاتے ہیں اور وہ ان کو اپنے فصیح و بلیغ الفاظ میں ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ان کے اوپر فرشتہ وحی لایا ہے۔ اس مسئلہ پر سورۂ نحل کی آیت ۱۰۲ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجیے۔

'ظلم' اور 'زور' کا مفہوم

'فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا'۔ 'جَآءُوْ' یہاں مرتکب ہونے کے مفہوم میں ہے اور اس معنی میں اس کا استعمال معروف ہے۔ 'ظُلْمٌ' سے مراد ان کا وہ شرک ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہوا ہے اور 'زُوْرٌ' سے اشارہ ان کے اس قول کی طرف ہے جو قرآن کے باب میں نقل ہوا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ شرک کے ظلم عظیم کے بھی مرتکب ہوئے اور ساتھ ہی قرآن کی مخالفت میں ایک بہت بڑے جھوٹ کے بھی ——— یہ کہہ کر بات ختم کر دی ہے۔ اس کے نتیجے کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اس ڈھٹائی کے ساتھ اتنے بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں، اندازہ کر لو کہ وہ کس انجام کے مستحق ہیں!

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۵)

'اِکْتَتَبَ فُلَانٌ' کا صحیح مفہوم لغت میں یہ ہے کہ 'سأل ان یکتب لہ' اس نے درخواست کی کہ اس کے لیے لکھ دیا جائے۔

تملیٰ کے بعد 'علیٰ' کا صلہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ 'تُلقٰی علیہ' یا 'تقرء علیہ' کے مضمون پر متضمن ہے۔ اس وجہ سے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ اس کو لکھوائے جاتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ اس کو لکھ کر تعلیم کیے جاتے ہیں۔ یہاں یہ دوسرے معنی میں ہے، اس لیے کہ قریش جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی ہیں۔ آپ لکھنا نہیں جانتے۔

قریش کی طرف سے آفتاب پر خاک ڈالنے کی کوشش

یہ اوپر والے الزام ہی کی مزید وضاحت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن میں ہے کیا؟ محض اگلوں کے فسانے ہیں جو اس میں دہرائے گئے ہیں! اس شخص نے کچھ لوگوں سے یہ فرمائش کی کہ اس کے لیے یہ لکھ دیے جائیں چنانچہ وہ صبح و شام اس کے لیے لکھتے ہیں اور یہ شخص انہی کی لکھی ہوئی چیزوں کو ہمارے

سامنے وحی الٰہی کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس کتاب میں کوئی ایسی حکمت ہے جس سے مرعوب ہوا جائے اور نہ اس کے پیش کرنے والے کا یہ دعویٰ ہی صحیح ہے کہ یہ وحی آسمانی ہے جو اضطراراً اس کے اوپر نازل ہوتی ہے بلکہ پچھلی قوموں اور پچھلے نبیوں کے کچھ جھوٹے سچے قصے ہیں جو اس شخص نے فرمائش کر کے دوسرے لوگوں سے لکھوائے ہیں۔ اس طرح انھوں نے قرآن کی حکمت کے اثر کو بھی مٹانے کی کوشش کی اور اس کے وحی آسمانی ہونے کے دعوے کو بھی مشتبہ کرنا چاہا لیکن ظاہر ہے کہ ان کی یہ کوشش آفتاب پر خاک ڈالنے کے ہم معنی تھی۔ قرآن نے تاریخ جس حکمت کے ساتھ پیش کی تھی اس کی زد براہِ راست متمردین قریش کے غرور پر پڑتی تھی اور اس کے آئینہ میں ان کو اپنا مستقبل نہایت بھیانک نظر آتا تھا اس وجہ سے وہ جھلا کر اس کو ماضی کا افسانہ کہتے تھے لیکن حقیقت کو افسانہ کہہ کر نہ اپنے ہی دل کو تسلی دی جا سکتی ہے نہ دوسروں ہی کو دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک سلمان فارسیؓ اور ایک ابوفکیہہ رومیؓ یا دو چار اہل کتاب مل کر قریش کے زعم کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن جیسی معجز کتاب تصنیف کر سکتے تھے تو قریش کے پاس تو ہزاروں عربی و عجمی اور لاکھوں اہل کتاب تھے، آخر انھوں نے ان کی مدد سے ایک قرآن تیار کر کے کیوں نہ پیش کر دیا کہ اس کے معجزہ ہونے کا دعویٰ باطل ہو جاتا! لیکن جب وہ قرآن کی مسلسل تحدّی کے باوجود اس کی کوئی نظیر نہ پیش کر سکے تو ان کی اس مہمل بات کو کون باور کر سکتا تھا کہ یہ عظیم کتاب بعض عجمیوں یا بعض اہل کتاب کی ایجاد ہے۔ چونکہ یہ بات بالبداہت مہمل تھی اس وجہ سے قرآن نے اس کی تردید کی ضرورت نہیں سمجھی۔ آگے والی آیت میں صرف اصل حقیقت کا اظہار فرما دیا جس میں ان بوالفضولوں کی اس بوالفضولی پر ایک لطیف طنز بھی ہے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (۶)

معترضین پر ایک لطیف طنز اور ان کو تنبیہ

فرمایا کہ ان لوگوں کو بتا دو کہ اس کتاب کو اتارنے والا وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کے سارے بھیدوں اور تمام اسرار و رموز سے خود اچھی طرح باخبر ہے۔ وہ اس کی تصنیف میں کسی عربی و عجمی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا عالم و حکیم ہو وہ اس کتاب سے بصیرت و رہنمائی تو حاصل کر سکتا ہے لیکن اس طرح کی کتاب تصنیف کرنا تو درکنار وہ اس کے علم و حکمت میں کوئی اضافہ بھی نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقت اس کتاب کی سطر سطر سے واضح ہے کہ اس کا اتارنے والا وہی ہے جو اس کائنات کے تمام بھیدوں سے واقف اور اس کے ظاہر و باطن اور آغاز و انجام ہر چیز سے باخبر ہے چنانچہ اس نے ماضی کی عبرتیں بھی سامنے رکھ دی ہیں، حاضر کی ذمہ داریاں بھی واضح کر دی ہیں اور مستقبل کے نتائج سے بھی پردہ اٹھا دیا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا، یعنی وہ چونکہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے اس وجہ سے اس نے یہ کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ جو لوگ توبہ و اصلاح کرنا چاہیں وہ توبہ و اصلاح کر کے اس کی رحمت

کے مستحق بن جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اتارنے کو تو عذاب بھی اتار سکتا ہے۔ وہ حق کے دشمنوں کے رویہ سے اچھی طرح باخبر ہے لیکن وہ اپنی رحمت کے سبب سے عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ چاہتا ہے کہ لوگ ہدایت کی راہ اختیار کریں تاکہ اس کی مغفرت کے سزاوار رہوں۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ بہرحال وہ سارے حالات و معاملات سے اچھی طرح واقف ہے۔ اگر لوگوں نے صحیح روش نہ اختیار کی تو اس کا جو انجام ہونا ہے وہ بھی سامنے آکے رہے گا۔

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (۷-۸)

یہ مخالفین کے بعض اور اعتراضات کا حوالہ دیا ہے۔

معترضین کے بعض اور اعتراضات رسول پر

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ کے اسلوب میں استعجاب اور طنز و استہزا دونوں ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ خوب رسول ہیں کہ اللہ کے رسول ہونے کے مدعی ہیں اور حال یہ ہے کہ ہمارے ہی طرح یہ بھی کھانے پینے کے محتاج ہیں اور اپنی ضروریات و مایحتاج کی فراہمی کے لیے ہماشما کی طرح یہ بھی بازاروں میں پھرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر خدا کو کوئی رسول ہی بھیجنا ہوتا تو کیا ہمارے ہی جیسے ایک بشر کو رسول بناتا، آخر اس کے پاس فرشتوں کی ایک فوج ہے ان میں سے کسی کو اس نے رسول بنا کر کیوں نہ بھیجا۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا۔ یعنی اگر کسی بشر ہی کو رسول بنایا تھا تو کم از کم یہ تو ہونا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو ساتھ ساتھ منادی کرتا پھرتا کہ لوگو، یہ اللہ کے رسول ہیں، یہ جس چیز سے ڈرا رہے ہیں اس سے ڈرو۔ یا آسمان سے ان کے لیے کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا ان کے پاس کوئی شاندار باغ ہوتا جس سے یہ اپنی معاش حاصل کرتے اور عام آدمیوں کی طرح ان کو بازاروں میں جوتیاں چٹخاتے نہ پھرنا پڑتا! مطلب یہ ہے کہ جب ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے تو آخر ہم ان کو اللہ کا رسول کس طرح مان لیں!

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ یعنی مذکورہ بالا اعتراضات کے بعد یہ ظالم لوگ مسلمانوں کو خطاب کرکے یہ کہتے ہیں کہ اگر تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کو رسول مان لیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ ایک ایسے شخص کے پیرو بن گئے ہو جس پر کسی نے جادو کرکے اس کی عقل کو مختل کر دیا ہے جس کے سبب سے وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (۹)

معترضین کی سراسیمگی / حواس باختگی

یہ آیت بعینہٖ سورۂ بنی اسرائیل میں بھی گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ۴۸۔ وہاں ہم واضح کر چکے

ہیں کہ 'ضرب مثل' کا محاورہ جس طرح کوئی تمثیل بیان کرنے یا کوئی حکمت کی بات کہنے کے لیے آتا ہے اسی طرح کسی پر اعتراض کرنے یا اس پر پھبتی چست کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ اعتراض باطل کے مفہوم میں یہ لفظ آگے اسی سورہ کی آیت ۳۳ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ پھبتی یا اعتراض ہی کے مفہوم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخالفین کی مذکورہ بالا خرافات نقل کرنے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا کہ دیکھو، یہ تمھارے اوپر کیسی کیسی پھبتیاں چست کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن کوئی بات بنتی نظر نہیں آتی ہے تو جس کے منہ میں جو آتا ہے وہی بک دیتا ہے۔

فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا۔ یعنی مخالفت کے جنون میں بالکل کھوئے گئے ہیں۔ اعتراض کی کوئی راہ نہ پا رہے ہیں، نہ پا سکیں گے۔ محض اپنے دل کا بخار نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اس طرح یہ حقیقت کو کب تک جھٹلا سکیں گے! یہ امر ملحوظ رہے کہ جب کوئی شخص کسی سچی بات کی دیدہ و دانستہ مخالفت کرتا ہے تو وہ اسی طرح کی حواس باختگی کا مظاہرہ کرتا ہے جس طرح کی حواس باختگی ان اعتراضات کے اندر پائی جاتی ہے۔

۲۔ آگے کا مضمون ــــــ آیات ۱۰-۳۴

آگے مذکورہ بالا اعتراضات کے جواب بھی دیئے، ان کے اصل محرکات پر بھی روشنی ڈالی اور اس اندھی بہری مخالفت کا جو انجام ان لوگوں کے سامنے آنے والا ہے اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔ اسی ضمن میں بعض نئے اعتراضات بھی زیر بحث آگئے ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو صبر و استقامت کے ساتھ ان تمام خرافات کو نظر انداز کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۰-۳۴

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ

الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ کَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ
فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ؕ کَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَ یَوْمَ
یَحْشُرُهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ
عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ
یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ
اٰبَآءَهُمْ حَتّٰی نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ
بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ یَّظْلِمْ
مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ
اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا
بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا ﴿۲۰﴾ ع وَ قَالَ
الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰی
رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا ﴿۲۱﴾ یَوْمَ یَرَوْنَ
الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا
مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً
مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾
وَ یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِیْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ
یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ یَوْمًا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا ﴿۲۶﴾
وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ

الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾
لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ
خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ
وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ
عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ (مع)
رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ
اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ
اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾ ع ٣/١٤/١

ترجمۂ آیات ١٠-٣٤

بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جو چاہے تو تمھیں اس سے بھی کہیں بہتر چیزیں بخش دے — ایسے باغ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور تمھارے لیے محل بنوا دے۔ بلکہ ان لوگوں نے قیامت کو جھٹلا دیا ہے اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ وہ دور ہی سے جب ان کو دیکھے گی تو وہ اس کا بپھرنا اور دھاڑنا سنیں گے۔ اور یہ جب اس کی کسی تنگ جگہ میں باندھ کر ڈال دیے جائیں گے تو اس وقت اپنی ہلاکت کو پکاریں گے۔ آج ایک ہی ہلاکت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو! ان سے پوچھو، کیا یہ بہتر ہے یا وہ جنت ابد جس کا خدا ترسوں سے وعدہ کیا جا رہا ہے! وہ ان کے لیے صلہ اور ٹھکانا ہوگی۔ اس میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ تیرے رب کا وعدہ ہے جس

کے ایفا کی اس پر حتمی ذمہ داری ہے۔ ۱۰-۱۶

اور اس دن کو خیال کرو جس دن ان کو اور جن چیزوں کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں، وہ اکٹھا کرے گا پس ان سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا انھوں نے خود ہی صحیح راہ کھوئی؟ وہ جواب دیں گے کہ معاذ اللہ! ہمیں یہ حق کہاں تھا کہ ہم تیرے سوا دوسروں کو کارساز بنائیں! بلکہ تو نے ان کو اور ان کے آباؤ اجداد کو دنیا سے بہرہ مند کیا یہاں تک کہ وہ تیری یاد بھلا بیٹھے اور ہلاک ہونے والے بنے ـــ یہ لو انھوں نے تو تمھاری بات ہیں جو تم کہتے تھے تمھیں جھوٹا ٹھہرا دیا! سو اب تم نہ تو عذاب کو ٹال سکتے اور نہ اپنی کوئی مدد کر سکتے۔ اور جو بھی تم میں سے شرک کا مرتکب ہوگا ہم اس کو ایک بڑا عذاب چکھائیں گے۔ ۱۷-۱۹

اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں میں سے جن کو بھی بھیجا وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔ اور ہم نے تم کو ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنایا ہے تو بولو، صبر کرتے ہو! اور تمھارا رب سب دیکھ رہا ہے۔ ۲۰

اور جو ہمارے حضور پیشی کا اندیشہ نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے یا ہم اپنے رب ہی کو دیکھتے! انھوں نے اپنے جی میں اپنے کو بہت بڑا سمجھا اور بڑی اکڑ دکھائی! جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوش آئند بات نہیں ہوگی اور وہ پناہ پناہ پکار اٹھیں گے! اور ہم ان کے ہر اس عمل کی طرف، جو انھوں نے کیا ہوگا، بڑھیں گے اور اس کو پراگندہ غبار بنا دیں گے۔ اس دن جنت والے بہترین ٹھکانے اور نہایت خوب آرام گاہ میں ہوں گے۔ ۲۱-۲۴

اور جس دن کہ آسمان ایک بدلی کے ساتھ پھٹے گا اور فرشتوں کے پرے کے بعد پرے اتارے جائیں گے، اس دن حقیقی بادشاہی خدائے رحمان ہی کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا ہی کٹھن ہو گا! اور جس دن اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا حسرت سے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کی معیت میں راہ اختیار کی ہوتی! ہائے میری بدبختی! کاش میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا! اسی نے مجھے گمراہ کر کے اس یاددہانی سے برگشتہ کیا بعد اس کے کہ وہ میرے پاس آچکی تھی! اور شیطان انسان کے ساتھ بڑا ہی بے وفائی کرنے والا ہے! اور رسول کہے گا کہ اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن کو پس انداز کردہ چیز بنایا۔ اور اسی طرح ہم نے مجرموں میں سے ہر نبی کے دشمن بنائے اور تیرا رب رہنمائی اور مدد کے لیے کافی ہے۔ ۲۵-۳۱

اور ان کافروں نے کہا کہ اس کے اوپر پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتار دیا گیا؟ ہم نے ایسا ہی کیا تاکہ اس کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اس کو تدریج و اہتمام کے ساتھ اتارا ہے۔ اور یہ لوگ جو اعتراض بھی اٹھائیں گے ہم اس کا صحیح جواب اور اس کی بہترین توجیہ تمہیں بتا دیں گے۔ جو لوگ جہنم کی طرف اپنے مونہوں کے بل گھسیٹے جائیں گے وہ اپنے ٹھکانے کے اعتبار سے بدتر اور راہ کے اعتبار سے گمراہ تر ہیں۔ ۳۲-۳۴

۲۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا (۱۰)

اعتراضات کا جواب — جس طرح نقل اعتراضات کی تمہید لفظ 'تبارک' سے اٹھائی ہے اسی طرح جواب کی تمہید بھی اسی لفظ سے اٹھائی ہے اور سب سے پہلے معترضین کے اس اعتراض کو لیا ہے جو سب سے آخر میں آیت ۸ میں نقل

ہوا ہے۔ فرمایا کہ خدا کی ذات بڑی ہی بافیض اور بڑی ہی صاحب جود و کرم ہے۔ اس کے پاس نہ باغوں کی کمی ہے اور نہ خزانوں کی۔ یہ ایک باغ کو کہتے ہیں۔ خدا اگر چاہے تو تمہارے لیے بہت سے باغ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور بہت سے ایوان و محل تیار کرا دے اور یہ سب کچھ تمھیں ایک دن ملنے والا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی نگاہیں چونکہ اسی دنیا کی زندگی تک محدود ہیں، آخرت کی زندگی کا، جو اصل زندگی ہے یہ کوئی تصور نہیں رکھتے اس وجہ سے یہ اپنے دنیوی اسباب و وسائل پر نازاں اور تمھارا مذاق اڑا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ دنیا دارالامتحان ہے، دارالانعام نہیں ہے۔ یہاں کی غربت و امارت دونوں امتحان کے لیے ہے۔ انعام کا گھر آخرت ہے۔ جو وہاں کامیاب ہوا وہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہے اور جو وہاں نامراد ہوا وہ ہمیشہ کے لیے نامراد ہے اور وہاں کی کامیابی ان لوگوں کے لیے ہے جو اس دنیا میں خدا سے ڈرنے والے بنیں۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا (۱۱)

یہ ان کے اصل مغالطہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اپنی دنیوی کامرانیوں کو جو اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھے ہوئے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ آخرت کے منکر ہیں۔ حالانکہ انھیں نہیں معلوم کہ جو لوگ آخرت کے منکر ہیں ہم نے ان کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے اگرچہ اس دنیا میں ان کے پاس کتنے ہی مرلبے، کتنے ہی باغ اور کتنی ہی کوٹھیاں ہوں!

دوزخ اور اہل دوزخ کی تصویر

إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا - (۱۲)

'تَغَيُّظٌ' کے معنی غصہ سے بھرنے اور 'زَفِيرٌ' کے معنی چیخنے اور دھاڑنے کے ہیں۔ یہ اس دوزخ کی صفت بیان ہوئی ہے جو ان ظالموں کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھی ہے۔ فرمایا کہ وہ ان سے انتقام کے جوش میں پہلے سے بھری ہوئی ہے اور ان کو دور ہی سے دیکھ کر اس طرح دھاڑے گی جس طرح بھوکا شیر دھاڑتا ہے۔

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا (۱۳)

یہ تصویر ہے ان ظالموں کے عذاب دوزخ کی۔ فرمایا کہ جب یہ اس کی کسی نہایت تنگ جگہ میں، باندھ کر، ڈال دیے جائیں گے تو وہاں وہ اپنی موت کو پکاریں گے۔ یعنی اول تو جگہ تنگ اور پھر اس میں بھی وہ باندھ کر اور زنجیروں میں جکڑ کر ڈالے جائیں گے۔ دوسرے مقام میں فرمایا ہے إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُؤْصَدَةٌ فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ (الہمزۃ: ۸-۹) یعنی وہ ان کے اوپر سے بند ہوگی اور وہ اس کے اندر لمبے لمبے ستونوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے۔ ایک اور مقام میں ان کے لیے سلاسل اور اغلال کا ذکر بھی آیا ہے۔

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا۔ 'ثبور' کے معنی موت اور ہلاکت کے ہیں یعنی اس وقت وہ موت کی دہائی دیں گے اس لیے کہ اس عذاب سے رہائی کی واحد شکل جو ان کو نظر آئے گی وہ یہی ہوگی کہ کسی طرح موت

آئے وہ ان کی زندگی کا خاتمہ کر دے لیکن وہاں موت بھی نہیں آئے گی۔ دوسرے مقام میں تصریح ہے کہ وہاں موت ان پر ہر طرف سے بلی پڑ رہی ہوگی لیکن وہ مریں گے نہیں بلکہ برابر لَا يَمُوتُ وَلَا يَحْيٰی کے ضیق میں مبتلا رہیں گے۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا (۱۴)

اس دن ان سے کہا جائے گا کہ آج ایک ہی موت کی دہائی نہ دو بلکہ بہت سی موتوں کی دہائی دو۔ یعنی آج تم پر نئی نئی بے شمار مصیبتیں ٹوٹیں گی اور تم کو ہر مصیبت پر اسی طرح واویلا کرنا ہے لیکن تمہارا یہ سارا واویلا بالکل بے سود ہوگا۔ یہ بات قولاً بھی ہو سکتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کے داروغوں کے ذریعہ سے ان کو کہلائی جائے گی اور صورتِ حال کی تعبیر بھی ہو سکتی ہے۔ اس اسلوب کی وضاحت دوسرے مقامات میں ہم کر چکے ہیں۔

قُلْ أَذٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا ۝ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا (۱۵-۱۶)

جنت اور اہل جنت کی تصویر

اب یہ اس اصل مدعا کا ذکر ہے جس کے لیے دوزخ کی یہ ساری تفصیل سنائی گئی ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو لوگ تمہیں طعنہ دیتے ہیں کہ تمہارے پاس کوئی باغ کیوں نہ ہوا ان سے پوچھو کہ یہ دوزخ بہتر ہے جو ان کے لیے تیار ہے یا وہ جنت خلد جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں سے وعدہ فرما رکھا ہے! یعنی تمہاری نگاہیں چونکہ اسی دنیا کی زندگی تک محدود ہیں اس وجہ سے تم اپنے باغوں اور محلوں پر نازاں اور مومنین کی بے مائگی پر طعنہ زن ہو۔ اگر تمہیں آخرت کا علم ہوتا اور تم یہ جان سکتے کہ وہاں تمہارے لیے کیا عذاب تیار ہے اور اہل ایمان کے لیے کس ابدی بادشاہی کا اہتمام ہے تو تم ان غریب اہل ایمان پر رشک کرتے اور اپنی شامتِ اعمال پر اپنے سر پیٹتے لیکن تمہیں تو اس دنیا کے غرور نے اس طرح اندھا کر دیا ہے کہ اپنی ناک سے آگے تمہیں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

اس جنت سے متعلق یہاں چار باتیں فرمائی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ یہ اہل ایمان کو ان کے اعمال کے صلے اور بدلے کے طور پر ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ اطمینان دلا دے گا کہ یہ تم نے اپنی سعی و عمل سے حاصل کی ہے اور تم اس کے پوری طرح حقدار ہو۔

دوسری یہ کہ یہ ان کی ابدی قیام گاہ ہوگی۔ اس سے محروم ہونے کا ان کو کبھی کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔

تیسری یہ کہ اس میں وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمیشہ کے لیے ملے گا۔

چوتھی یہ کہ اس جنت کا اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ نے حتمی وعدہ فرمایا ہے اور از خود اپنے اوپر اس کا ایفاء واجب اور اپنے بندوں کے آگے اس کے لیے اپنے کو ذمہ دار و مسئول ٹھہرایا ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ

ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا (۱۷-۱۸)

آخرت میں انبیاء و صالحین کا اپنے پرستاروں سے اعلانِ براءت

اوپر آیات ۲-۳ میں ان شرکاء کا ذکر گزر چکا ہے جن کے اعتماد پر یہ مشرکین آخرت سے بے پروا ہو کر قرآن اور رسول کا مذاق اڑا رہے تھے۔ یہاں انہی کو پیشِ نظر رکھ کر فرمایا کہ حشر کے دن اللہ ان کے ساتھ ان کے ان معبودوں کو بھی جمع کرے گا جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے سوال کرے گا کہ کیا تم لوگوں نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا انھوں نے اپنی راہ خود گم کی؟ وہ جواب دیں گے کہ معاذ اللہ ہمارے لیے یہ کس طرح روا تھا کہ ہم تیرے سوا کسی اور کو اپنا ولی و کارساز بناتے یا دوسروں کو اس کا حکم دیتے! اصل بات یہ ہے کہ تو نے معیشتِ دنیا کی جو فراوانی ان کو اور ان کے آباؤ اجداد کو بخشی اسی میں ان کی کئی پشتیں گزر گئیں جس کے سبب سے وہ سمجھ بیٹھے کہ وہ اسی عیش کے لیے پیدا ہوئے ہیں، اسی میں جئیں گے اور اسی میں مریں گے، وہ اس کے پیدائشی حق دار ہیں۔ انھوں نے خیال کیا کہ آخرت اول تو کوئی شے ہے نہیں اور اگر بالفرض ہے تو جس طرح اس دنیا میں ہم سب پر بالا ہیں اسی طرح آخرت میں بھی سب پر بالا رہیں گے۔ ان کے اس مغالطے نے ان کو راہِ حق سے برگشتہ رکھا اور جن لوگوں نے ان کو اصل حقیقت کی یاددہانی کی اپنی اس دنیوی برتری کو اپنے برحق ہونے کی دلیل قرار دے کر انھوں نے ان کو جھٹلا دیا اور ہلاک ہونے والے بنے۔

اس جواب سے صاف واضح ہے کہ یہ ان انبیاء و صلحاء اور ملائکہ کا جواب ہوگا جن کی پرستش کی گئی ہے۔ رہے مشرکین کے وہ خیالی اصنام و اوثان جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو اگرچہ جمع تو، جیسا کہ 'وَمَا يَعْبُدُوْنَ' کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے، ان کی مورتیں بھی کی جائیں گی لیکن ان سے کسی سوال و جواب کا کیا سوال! البتہ قرآن میں دوسرے مقامات میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ بھی اپنے پوجنے والوں کے ساتھ جہنم میں جھونک دی جائیں گی تاکہ جن بدقسمت لوگوں نے ان کی پرستش کی ان پر واضح ہو جائے کہ جن کے آگے انھوں نے زندگی بھر ڈنڈوت کی ان کا کیا حشر ہوا!

یہاں انبیاء و صلحاء کا جو جواب نقل ہوا ہے بعینہٖ وہی جواب حضرت مسیحؑ کی زبان سے سورۂ مائدہ کی آیات ۱۱۶-۱۱۸ میں نقل ہوا ہے، اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

اصل سببِ انکار

'وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ' میں وہی بات فرمائی گئی ہے جو سورۂ حدید کی آیت ۱۶ میں یوں فرمائی گئی ہے کہ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (ان لوگوں کو عیش و رفاہیت کا طویل زمانہ ملا اس وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے) آیت میں 'ذکر' سے مراد وہ یاددہانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو برابر آخرت کو یاد رکھنے کی کی گئی۔ یہ مضمون انبیاء آیت ۴۴ اور قصص آیت ۴۵ میں بھی بیان ہوا ہے، مزید وضاحت مطلوب ہو تو ان پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

قَوۡمًۢا بُوۡرًا۔ بُوۡرٌ واحد، جمع اور مذکر و مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی شور زمین کے بھی ہیں اور فاسد و ناکارہ آدمی کے بھی۔ یہاں یہ قوم کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہلاک ہونے والی قوم کے ہیں۔

فَقَدۡ كَذَّبُوۡكُمۡ بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ ۙ فَمَا تَسۡتَطِيۡعُوۡنَ صَرۡفًا وَّلَا نَصۡرًا ۚ وَمَنۡ يَّظۡلِمۡ مِّنۡكُمۡ نُذِقۡهُ عَذَابًا كَبِيۡرًا (۱۹)

ایک بلیغ اسلوب

یہاں مستقبل کی بات کو بتقاضائے بلاغت ماضی کی شکل میں کر دیا ہے۔ فرمایا کہ یہ لو، انھوں نے تو تمھاری اس بات کو جھٹلا دیا جو تم کہتے تھے! تمھارا دعویٰ تو یہ تھا کہ انھوں نے تمھیں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور تم جن باتوں کو اختیار کیے ہوئے ہو انہی کی ہدایت کے مطابق اختیار کیے ہوئے ہو لیکن ان کا کہنا تو یہ ہے کہ اپنی عبادت کا کسی کو حکم دینا تو درکنار، وہ اس بات کے بھی ایک لمحہ کے لیے روادار نہیں کہ کسی کو اپنا ولی و کارساز بنائیں۔

ظلم عظیم کی سزا عذاب کبیر

'فَمَا تَسۡتَطِيۡعُوۡنَ صَرۡفًا وَّلَا نَصۡرًا' الآیۃ۔ یعنی اس آخری اتمام حجت اور قطع عذر کے بعد تمھارے لیے کوئی راہِ فرار باقی نہ رہ جائے گی۔ نہ تم خود اپنے سے عذاب کو ہٹا سکو گے اور نہ اپنی یا کسی اور کی کوئی مدد ہی کر سکو گے اور تم میں سے جو بھی شرک کے مرتکب ہوں گے ہم ان کو ایک عذاب عظیم چکھائیں گے۔ یہ امر واضح رہے کہ شرک کی سزا 'عذاب کبیر' اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک کی حیثیت 'ظلم عظیم' کی ہے۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَيَمۡشُوۡنَ فِى الۡاَسۡوَاقِ ؕ وَجَعَلۡنَا بَعۡضَكُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَةً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيۡرًا (۲۰)

تمام رسول بشر تھے

اس آیت میں اگرچہ خطاب بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن آیت کے الفاظ خود شاہد ہیں کہ کلام کا رخ عام لوگوں کی طرف ہے چنانچہ اس میں ضمیریں اور فعل واحد بھی استعمال ہوئے ہیں اور جمع بھی۔ یہ معترضین کے اس اعتراض کا جواب ہے جو اوپر آیت ۷ میں نقل ہوا ہے۔ فرمایا کہ اگر تم بشر ہو، کھانا بھی کھاتے ہو اور بازاروں میں لین دین کے لیے بھی تمھیں جانا پڑتا ہے تو ان میں سے کوئی بات بھی منصب رسالت کے منافی نہیں ہے۔ تم سے پہلے جتنے رسول بھی ہم نے بھیجے وہ سب بلا استثناء کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں عام آدمیوں کی طرح چلتے پھرتے بھی تھے۔ قرآن کا یہ جواب بالکل واضح ہے اس لیے کہ یہ معترضین حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کو نہ صرف نبی و رسول مانتے تھے بلکہ ان کی ذریت اور ان کے دین کے وارث ہونے پر ان کو بڑا فخر و ناز تھا لیکن ان میں سے کسی کے متعلق بھی ان کا یہ دعویٰ نہیں تھا کہ وہ مافوق بشر تھے بلکہ ان کو وہ بشر ہی تسلیم کرتے تھے۔ اسی طرح بنی اسرائیل بھی اپنے انبیاء میں سے کسی کے مافوق بشر ہونے کے قائل نہیں تھے۔ چنانچہ قرآن نے دوسرے مقام میں قریش کے ان معترضین سے کہا بھی

ہے کہ اگر تم نبوت و رسالت کی تاریخ سے بے خبر ہو تو ان اہل کتاب سے پوچھ لو جو انبیاء و رسل کی تاریخ سے واقف ہیں کہ ان کے انبیاء کھانا کھاتے تھے یا نہیں اور انھیں بازاروں میں چلنے پھرنے کی ضرورت پیش آتی تھی یا نہیں؟ عیسائیوں نے اگرچہ پال کے زمانہ سے حضرت عیسیٰؑ کو مافوق البشر بنانے کی بڑی کوشش کی لیکن ان کے اور ان کی والدہ ماجدہ کے کھانا کھانے سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے اس لیے کہ انجیلوں میں یہ چیز نہایت تصریح کے ساتھ موجود ہے۔ چنانچہ قرآن نے اس کو بھی ان کے متعلق دعوائے الوہیت کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (مائدہ: ۷۵) (ماں بیٹا دونوں کھانا کھاتے تھے)

انبیاء اور ان کی امتوں کے لیے ایک امتحان

'وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً' بعینہٖ یہی مضمون انعام آیت ۵۳ میں گزر چکا ہے۔ وہاں فرمایا ہے۔ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا (اسی طرح ہم نے ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش بنایا ہے تاکہ یہ متکبرین کہیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان سے اپنے فضل سے منتخب کیا!) یعنی مسلمانوں کی غربت ان کفار کے لیے فتنہ بن گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تمام نعمتوں اور مال و جاہ کے وارث اور مالک ہم ہیں تو یہ دین اگر کوئی خدائی دین ہوتا تو وہ ان قلاش مسلمانوں کو کس طرح ملتا، وہ بھی لازماً ہمیں ملتا اور اگر اللہ انسانوں ہی میں سے کسی کو نبی بنانے والا ہوتا تو طائف یا مکہ کے کسی رئیس کو بناتا نہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے غریب آدمی کو اس منصب پر سرفراز کرتا! اسی طرح یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ یعنی تمھاری غربت ان کے لیے قبولِ حق کی راہ میں حجاب بن گئی ہے۔ حق تو یہ تھا کہ وہ نعمت پا کر خدا کے شکر گزار بندے بنتے لیکن یہ نعمت ان کے لیے استکبار کا سبب بن گئی اور اس استکبار کے نشہ میں انھوں نے تمھاری پیش کردہ دعوت پر غور کرنے اور اس کو اختیار کرنے کے بجائے تمھیں اعتراضات و مطاعن کا ہدف بنا لیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے صبر کا امتحان ہے۔

عربیت کا ایک بلیغ اسلوب

'اَتَصْبِرُوْنَ' یہ مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوا کہ وہ تو اپنے شکر کے امتحان میں بالکل ناکام رہے اب تم بتاؤ کہ تم ان کے طنز و استہزاء اور ان کی مخالفت و عداوت کے مقابل میں ثابت قدم رہنے والے بنتے ہو یا نہیں؟ عربیت کا ذوق رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جب امر کے اندر ترغیب و تشویق اور حث و تحریض کا مفہوم پیدا کرنا ہو تو وہ خبریہ اسلوب کے قالب میں آتا ہے اور اگر اس پر حرفِ استفہام آ جائے تو اس کے اندر مزید زور پیدا ہو جاتا ہے۔ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ (شعراء: ۳۹) کے تحت اس اسلوب کی مزید وضاحت آئے گی اور پیچھے بھی اس کی بعض عمدہ مثالیں گزر چکی ہیں۔ یہ مسلمانوں کو اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ اگر تمھارے مخالفین اپنے امتحان میں ناکام رہے تو ان کو ان کی قسمت کے حوالہ کرو، تمھارے سامنے صبر کے امتحان کا جو مرحلہ ہے اس میں کامیابی کے لیے عزم و حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھو۔

'وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا'۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمھارا نگرانِ حال ہے۔ اس کی نصرت پر پورا بھروسہ رکھو۔

اگر تم ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ تمھیں ان تمام مخالفتوں کے علی الرغم منزلِ مقصود پر پہنچائے گا۔

اس آیت میں فتنہ کو اللہ تعالیٰ نے جو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے یہ اس سنتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو اس نے اپنے بندوں کے امتحان کے لیے اس دنیا میں جاری فرمائی ہے۔ اس کی وضاحت ہم جگہ جگہ کرتے آرہے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ (۲۱-۲۲)

منکرین کے استکبار پر ایک ضرب

'اَلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا' سے قرآن میں منکرین کے اس گروہ کو تعبیر کیا گیا ہے جو خدا کے حضور پیشی کے اندیشے سے بالکل بے خوف تھا۔ اس گروہ کا جہل و غرور اور اس کا گھمنڈ دوسرے کفار و معاندین سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا اس وجہ سے اس کا ذکر 'اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا' کے لفظ سے نہیں ہوا بلکہ ایسی صفت کے ساتھ ہوا ہے جس سے اس کا غرور پوری طرح بے نقاب ہو سکے۔ اس گروہ کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس خدا کا فرشتہ آتا ہے، جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو آخر ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے یا ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ خود خدا بے حجاب ہو کر سامنے آئے اور ہم اس کو دیکھیں۔ یہ مطالبہ ظاہر ہے کہ وہی لوگ کر سکتے تھے جو بالکل ہی سر پھرے، مغرور اور ساتھ ہی پرلے سرے کے احمق ہوں۔ اس وجہ سے ان کی اس احمقانہ بات کا جواب دینے کے بجائے ان کے اس غرور پر ضرب لگائی۔ فرمایا کہ ان لوگوں نے بڑی اکڑ دکھائی کہ خدا اور فرشتوں کو دیکھنے کا مطالبہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کو اندازہ نہیں کہ خدا اور فرشتوں کا دیکھنا کیا ہوتا ہے! خدا تو در کنار جب وہ دن آئے گا جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو وہ ان کے لیے کوئی خوش آیند دن نہیں ہوگا بلکہ اس دن پناہ! پناہ! پکار اٹھیں گے! آگے اس دن کی ہولناکی کی مزید تفصیل آرہی ہے۔

'حِجْرًا مَّحْجُوْرًا' کا مفہوم

'حِجْرًا مَّحْجُوْرًا' کے ایک معنی تو سخت پردہ اور اوٹ کے ہیں۔ اس معنی میں یہ لفظ اسی سورہ کی آیت ۵۳ میں آگے آئے گا۔ دوسرے یہ استعاذہ کے الفاظ سے ہے اور سیبویہ کی رائے یہ ہے کہ جب یہ اس مفہوم میں آتا ہے تو بالکل اسی شکل میں استعمال ہوتا ہے اور فعل محذوف سے منصوب ہوتا ہے جس طرح 'مَعَاذَ اللّٰهِ' استعمال ہوتا ہے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (۲۳)

منکرین کے اعمال کی بے وقعتی

فرمایا کہ ان لوگوں کو اپنی جن خدمات اور جن کارناموں پر بڑا ناز ہے اور جن کی بنا پر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں بھی وہ ملک و قوم کے ہیرو سمجھے جانے کے حق دار ہیں اور اگر آخرت کوئی چیز ہے تو وہاں بھی ان کو بڑے سے بڑے مراتب ملیں گے، ہم ان کے ان اعمال کو منتشر ذرات بنا کر اڑا دیں گے۔ اس لیے

کہ ہمارے ہاں اس عمل کی کوئی قدر نہیں ہے جو خالص ہماری رضا کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ کے اسلوب بیان سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ہم خود آگے بڑھ کر ان کے ہر عمل کو ٹھکرا دیں گے، خواہ وہ عمل بڑا ہو یا چھوٹا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اعمال کی انتہائی تحقیر کی دلیل ہے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا (۲۴)

اہلِ جنت کی عیش گاہ

یہ ان کے مقابل میں اہلِ جنت کا حال بیان ہوا کہ جن کو یہ اس دنیا میں نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ اس دن بہترین مستقر اور اعلیٰ ترین آرامگاہ میں ہوں گے۔ 'مقیل' قیلولہ کی جگہ کو کہتے ہیں لیکن یہ اپنے عام استعمال میں آرام گاہ اور عیش گاہ کے مفہوم میں آتا ہے۔ امرؤ القیس کا مصرع ہے 'بخول فی مقیل نحسہ متغیب' (ایسی عیش گاہ میں عیش کردہ جو ہر نحوست سے محفوظ ہے) 'خیرٌ' اور 'احسن' یہاں تقابل کے مفہوم میں نہیں ہیں بلکہ یہ خوب ترین اور بہترین کے مفہوم میں ہیں۔ دوسرے مقام میں اس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا (۲۵-۲۶)

قیامت کے دن فرشتوں کا ظہور

یہ بھی اسی جواب کا حصہ ہے جو اوپر فرشتوں کو دیکھنے کا مطالبہ کرنے والوں کو دیا گیا ہے۔ فرمایا کہ ان لوگوں کو چاہیے کہ اس دن کا تصور کریں جس دن آسمان پھٹے گا اور اس سے ایک بدلی نمودار ہوگی اور اس کے اندر سے فرشتوں کے پرے کے پرے، یکے بعد دیگرے، اتارے جائیں گے۔ فرمایا کہ اس دن کسی کی کچھ پیش نہیں جائے گی۔ جن معبودوں پر ان لوگوں کو بڑا ناز و اعتماد ہے وہ بھی ان کے کچھ کام آنے والے نہیں بنیں گے۔ حقیقی بادشاہی اس دن خدائے رحمان ہی کی ہوگی اور کافروں پر یہ دن بڑا ہی کٹھن ہوگا! یہ امر ملحوظ رہے کہ حقیقی اختیار اور حقیقی بادشاہی یوں تو ہمیشہ خدا ہی کی ہے لیکن اس دنیا میں اس حقیقت پر پردہ پڑا ہوا ہے اس وجہ سے نادانوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی خدائی کا ڈنکا بجانے لگتے ہیں لیکن قیامت کے دن ہر شخص پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سارا زور و اختیار صرف اللہ ہی کو حاصل ہے اور کسی کو بھی کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا (۲۷-۲۹)

قیامت کے دن مکذبینِ رسول کی حسرت

ہاتھ کاٹنا اظہارِ حسرت و ندامت کی تعبیر ہے اور یہ تعبیر ہماری زبان میں بھی موجود ہے۔ 'الظالم' سے مراد یہاں اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا۔ یعنی ہر وہ شخص جس نے رسول کی مخالفت کی۔

فرمایا کہ ان لوگوں کو چاہیے کہ اس دن کا تصور کریں جس دن ہر وہ شخص جو آج اندھا بہرا بن کر رسول کی

مخالفت کر رہا ہے اور اس طرح خود اپنی جان پر ظلم ڈھا رہا ہے نہایت حسرت کے ساتھ اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں نے اللہ کے رسول کے ساتھ اس کی بتائی ہوئی راہ اختیار کرلی ہوتی اور اپنی بدبختی سے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا جس نے مجھے خدا کی یاددہانی سے، جب کہ وہ میرے پاس آچکی تھی، برگشتہ کر کے گمراہی میں ڈالا!

'اَضَلَّنِیْ' کے بعد 'عن' اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ 'صرف' کے معنی پر متضمن ہے یعنی اس نے مجھے اپنی ان گمراہ کن باتوں سے جو اس نے رسول اور اللہ کی کتاب کے خلاف کہیں مجھے گمراہ اور رسول کے بتائے ہوئے راستہ سے برگشتہ کیا۔ ان باتوں کا حوالہ آیات ۴، ۲۱، ۳۲، ۴۱ اور ۴۲ میں موجود ہے۔

'بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ' میں اپنی بدبختی کا اعتراف ہے کہ اگر اللہ کی ہدایت میرے پاس نہ آئی ہوتی تو میں کوئی عذر بھی پیش کرسکتا تھا لیکن اب میں کیا عذر کرسکتا ہوں جب کہ میرے اوپر حجت تمام کی جاچکی ہے۔

'وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا' 'خَذُوْل' کے معنی وقت پر ساتھ چھوڑ دینے والا، بے وفا اور غدار۔

میرے نزدیک یہ اظہار حسرت کرنے والوں کے قول کا جزو نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھا ہے، بلکہ یہ ان کے قول پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برمحل تذکیر و تنبیہ ہے کہ شیطان اس طرح عین وقت پر دغا دینے والا اور ساتھ چھوڑ دینے والا ہے۔ لفظ 'شیطان' یہاں جنس کے مفہوم میں ہے۔ اس سے شیاطین جن و انس دونوں مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو یہ ناہنجار لوگ ایک دوسرے کے ساتھی، لیڈر اور پیرو ہیں۔ ہر ضلالت کے پھیلانے اور ہر حق کو دبانے میں ایک دوسرے کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں لیکن جب آخرت کا مرحلہ پیش آئے گا تو ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ پیرو کہیں گے کہ فلاں نے ہمیں گمراہ کیا، اگر اس نے نہ ورغلایا ہوتا تو ہم سیدھی راہ پر ہوتے، اور لیڈر جواب دیں گے کہ تم خود شامت زدہ تھے کہ تم نے ہمارا ساتھ دیا، ہم نے تو تمھیں وہی بنایا جو ہم خود تھے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (۳۰)

قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب سے شکوہ

'رسول' سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو قرآن کو جھٹلانے والے خود اپنی بدبختی پر اپنے سر پیٹیں گے۔ دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے رب سے شکوہ کریں گے کہ اے رب! میں نے تیری کتاب، پوری دلسوزی کے ساتھ، اپنی اس قوم کے سامنے پیش کی لیکن ان لوگوں نے اس کی کوئی قدر نہیں کی بلکہ نہایت ناقدری کے ساتھ اس کو ٹھکرا دیا۔ حضور کا یہ شکوہ ان اشقیاء کے تابوت میں آخری کیل ہوگا جس کے بعد ان کے لیے زبان کھولنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جائے گی۔ یہ بات سورۂ مائدہ میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ قیامت کے دن انبیاء اپنی اپنی قوموں کے معاملہ میں گواہی دیں گے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا (۳۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ اشقیاء تمھاری مخالفت جو کر رہے ہیں یہ انبیاء کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر دور کے مجرمین نے اسی طرح اپنے رسولوں کی مخالفت کی ہے۔ لفظ 'مجرمین' اوپر آیت ۲۲ میں گزر چکا ہے۔ یہ لفظ ان گمراہ کرنے والے لیڈروں کے لیے استعمال ہوا ہے جن کا رویہ اس سورہ میں زیر بحث ہے۔ فرمایا کہ یہی جرائم پیشہ لوگ ان تمام فسادات کے ذمہ دار ہوتے ہیں جن کی نبی اصلاح کرنا چاہتا ہے اور ان تمام مفاسد سے ان کا مفاد وابستہ ہوتا ہے اس وجہ سے وہ نبی کی دعوت کو ٹھنڈے پیٹوں نہیں برداشت کرتے بلکہ اپنے تمام اوچھے ہتھیاروں سے اس کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں لیکن تم اطمینان رکھو، تمھارا رب ہر مشکل میں تمھاری رہنمائی اور مدد کے لیے کافی ہے۔

یہ بات چونکہ سنتِ الٰہی کے مطابق ہوتی ہے، اس لیے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ باطل کو بھی ایک حدِ خاص تک زور آزمائی کی مہلت دی ہے، اس وجہ سے اس کو منسوب اپنی طرف فرمایا۔ اس سنتِ الٰہی کی وضاحت ہم جگہ جگہ کرتے آ رہے ہیں۔ انعام کی آیت ۱۱۳ میں یہ مضمون زیادہ وضاحت سے گزر چکا ہے۔ تفصیل کے طالب اس پر ایک نظر ڈال لیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (۳۲)

قرآن کے بیک وقت نہ اترنے کی وجہ

یہ ان معترضین کا چوتھا اعتراض نقل ہوا ہے۔ وہ قرآن کے خلاف لوگوں میں یہ خیال بھی پھیلاتے تھے کہ اگر یہ خدا کی اتاری ہوئی کتاب ہے تو آخر یہ پوری کی پوری بیک وقت کیوں نہیں نازل کر دی گئی، خدا کے لیے تو کچھ سوچنے اور اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اس کو تھوڑی تھوڑی اتارے؟ یہ اعتراض وہ اپنے اسی پروپیگنڈے کو تقویت پہنچانے کے لیے کرتے تھے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ اس کتاب کی تیاری میں کچھ دوسرے لوگ بھی شریک ہیں۔ چنانچہ جتنی مقدار میں وہ تیار کر پاتے ہیں اتنی اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو سکھاتے ہیں اور یہ اس کو وحی الٰہی بنا کر ہمیں سناتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم نے اس کو اسی طرح اتارا ہے تاکہ اس طرح ہم تمھارے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اس کو ایک خاص تدریج و اہتمام کے ساتھ نازل کیا تاکہ لوگ اس کو سیکھیں۔ مطلب یہ ہے کہ اتار دینے کو تو ہم پوری کتاب ایک ہی دفعہ نازل کر سکتے تھے لیکن سوال تمھارے تحمل اور لوگوں کی تعلیم و تربیت کا بھی تھا۔ اگر یہ پوری کتاب ایک ہی مرتبہ میں نازل کر دی جاتی تو نہ تم ہی اس بارِ گراں کو اٹھا سکتے اور نہ لوگوں ہی کے اوپر صحیح طریقہ سے اتمامِ حجت ہو سکتا اس وجہ سے اللہ نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا تاکہ تم بھی اس کو برداشت کر سکو اور لوگ بھی اگر سیکھنا چاہیں تو اس کو سیکھ سکیں۔ ایک استاذ اگر چاہے تو پوری کتاب ایک ہی نشست میں شاگردوں کو سنا دے لیکن کیا اس طرح شاگرد کتاب کو محفوظ بھی کر سکیں گے!

وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۔ 'ترتیل' کے معنی اہتمام کے ساتھ پڑھنے اور سنانے کے ہیں۔ اس کا عطف اس فعل پر ہے جو کَذٰلِكَ کے بعد محذوف ہے۔ یہ بات یہاں بطور اظہارِ احسان ارشاد ہوئی ہے کہ یہ ہماری نہایت درجہ لوگوں پر مہربانی ہے کہ ہم نے ان کو ایک ساتھ پوری کتاب نہیں پکڑا دی بلکہ اس کو نہایت اہتمام و تدریج کے ساتھ سبق سبق کر کے پڑھا اور سنا رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیز ممنون و شکرگزار ہونے کی ہے نہ کہ اعتراض و نکتہ چینی کی لیکن ان ظالموں نے اس چیز کو بھی ایک وجہ اعتراض بنا لیا۔

آسمانی صحیفوں میں سے کوئی صحیفہ بھی بیک دفعہ نازل نہیں ہوا

یہ امر ملحوظ رہے کہ آسمانی صحائف میں سے کوئی صحیفہ بھی بیک دفعہ نہیں نازل ہوا ہے۔ جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہے، ان کا خیال ان صحائف سے بے خبری پر مبنی ہے۔ تورات بھی پوری کی پوری بیک دفعہ نہیں نازل ہوئی۔ بیک دفعہ اس کے صرف احکامِ عشرہ نازل ہوئے ہیں جو الواح میں لکھ کر حضرت موسیٰؑ کو عطا ہوئے۔ لیکن تورات صرف احکامِ عشرہ ہی پر تو مشتمل نہیں ہے اس میں تو شریعتِ موسوی کے تمام احکام و قوانین ہیں جو حضرت موسیٰؑ کی پوری زندگی میں درجہ بدرجہ نازل ہوئے۔ ان میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن کے متعلق قرآن اور تورات دونوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ حضرت موسیٰؑ کی ہجرت سے پہلے نازل ہوئے ہیں، بہت سے احکام دریا کے عبور کے بعد یا صحرائے سینا کی زندگی کے دور میں نازل ہوئے ہیں۔ اسی طرح انجیل تمام تر سیدنا مسیحؑ کے مواعظِ حکمت پر مشتمل ہے جو مختلف مواقع پر، حسبِ اقتضائے حالات، آپ پر نازل ہوئے اور آپ نے ان سے اپنی قوم کو انذار کیا۔ یہی حال زبور کا ہے۔ یہ حضرت داؤدؑ کی منظوم مناجاتوں اور تلقینات پر مشتمل ہے جو وقتاً فوقتاً آپ پر القا ہوئیں۔ غرض یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ ان میں سے کوئی کتاب بھی بیک دفعہ، مابین الدفتین، نازل ہوئی۔ آخر ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا! حضرات انبیاء علیہم السلام کوئی مصنف نہیں تھے کہ پوری پوری کتابیں لکھ کر ایک ہی دفعہ لوگوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیں۔ وہ داعی، معلم اور مزکی ہوتے تھے۔ انھیں ایک پوری مریض قوم کا علاج اور تزکیہ کرنا ہوتا تھا۔ ان کے اس فرض منصبی کا فطری اور قدرتی تقاضا یہ تھا کہ وہ اس اصلاح کی راہ میں تدریج کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں اور ہر قدم پر ضرورت کے مطابق ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی حاصل ہو۔ جہاں تک مجھے علم ہے علمائے اہل کتاب بھی اپنی کتابوں میں سے کسی کتاب کے بیک دفعہ نازل ہونے کے مدعی نہیں ہیں۔ اور اگر کوئی ہے تو اس کا دعویٰ خود اس کی کتاب کی تصریحات کے صریح خلاف ہے۔ ہمارے مفسرین یہ بات جو لکھتے ہیں کہ تورات، زبور اور انجیل بیک دفعہ نازل ہوئی ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (۳۳)

آیت ۹ کے تحت ہم واضح کر آئے ہیں کہ 'ضربِ مثل' کا محاورہ اعتراض و نکتہ چینی کے لیے بھی آتا ہے۔ یہاں موقع دلیل ہے کہ یہ اعتراض ہی کے مفہوم میں ہے اور آیت میں اس کا مقابل لفظ "حق" استعمال ہوا ہے جس سے یہ بات نکلی کہ اس سے مراد یہاں اعتراض باطل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دہانی

معترضین کے تمام اعتراضوں کا مسکت اور دل نشین جواب دینے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تم مطمئن رہو۔ یہ لوگ جو اعتراض باطل بھی تمہارے خلاف اٹھائیں گے اس کے جواب کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے۔ ہم اس کا صحیح جواب، اور اس کی بہترین توجیہ و تفسیر تم پر نازل کر دیں گے۔ اس اطمینان دہانی کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت و رسالت اور قرآن کی جو دعوت لوگوں کو دی وہ خدا کے حکم سے دی، اس میں کوئی ادنیٰ دخل بھی آپ کی اپنی خواہش کا نہیں تھا۔ آپ کے اس دعوے اور دعوت کی وجہ سے پوری قوم آپ کی دشمن بن کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ اگر مخالفین کے ان تمام حملوں کی مدافعت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ اپنے اوپر نہ لیتا تو تمام خلق کا منہ آپ کس طرح بند کر سکتے تھے۔

اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِیْلًا (۳۴)

گمراہوں کی گمراہی کی اصل منزل

'یُحْشَرُوْنَ' کے بعد 'عَلٰی' کا صلہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ 'یُسْحَبُوْنَ' کے مفہوم پر متضمن ہے۔ دوسرے مقام میں اس کی وضاحت بھی ہو گئی ہے۔ فرمایا ہے۔ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ جس دن وہ اپنے منہوں کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے۔

یہ آیت اوپر کی آیت ۲۴ کے مقابل میں ہے۔ اُس میں اہلِ جنت کو اچھے انجام کی بشارت دی ہے اس میں اہلِ دوزخ کے انجام کا ذکر فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ بُرے ٹھکانے میں اور سب سے زیادہ راہ کھوئے ہوئے وہ لوگ ہوں گے جو منہوں کے بل گھسیٹ کر، دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے۔

'اَضَلُّ سَبِیْلًا' میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس دنیا میں گمراہوں کو اپنی گمراہی کی اصل منزل کا پتہ نہیں ہوتا اس وجہ سے وہ یہ اندازہ نہیں کر پاتے کہ جس راہ پر وہ چل رہے ہیں وہ ان کو کہاں لے جائے گی۔ آخرت میں جب ان کی گمراہی کی اصل منزل ــــ دوزخ ــــ سامنے آ جائے گی تب انھیں اندازہ ہو گا کہ وہ کہاں سے چلے اور کہاں پہنچے!

۴- آگے کا مضمون ــــ آیات ۳۵-۴۴

آگے حضرت موسیٰؑ اور حضرت نوحؑ اور ان کے درمیان کی ان قوموں کا اجمالی حوالہ ہے جن کے اندر رسولوں کی بعثت ہوئی۔ مقصود اس حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا اور آپؐ کی قوم کو متنبہ کرنا ہے کہ ان قوموں کو بھی اللہ نے اپنی تعلیمات و ہدایات سے آگاہ کیا لیکن انھوں نے ان کی قدر کرنے کے بجائے ان تعلیمات کے پیش کرنے والوں کا مذاق اڑایا جس کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ وہ نہایت تباہ کن انجام سے دوچار ہوئیں۔ اس سورہ میں واقعات کی طرف صرف اشارہ ہے۔ آگے کی سورہ میں، جو اس کی مثنیٰ ہے، ان واقعات کی تفصیل آئے گی۔ واقعات کی ترتیب صعودی بھی ہے اور نزولی بھی۔ پہلے

حضرت موسیٰؑ کا ذکر فرمایا ہے جو سلسلہ بنی اسرائیل کے سب سے زیادہ جلیل القدر صاحب کتاب و شریعت نبی و رسول ہیں۔ اس کے بعد حضرت نوحؑ کا ذکر فرمایا ہے جن سے حضرت آدمؑ کے بعد، گویا سلسلہ رسالت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ نیچے سے اوپر کی طرف اشارہ ہوا۔ پھر درمیان کی دوسری امتوں کا ذکر فرمایا اور ان کے ذکر میں ترتیب نزولی یعنی اوپر سے نیچے کی طرف ہے۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۳۵-۴۴

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَثَمُودَ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَٰلِكَ كَثِيرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۚ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿۴۰﴾ وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿۴۱﴾ إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۴۲﴾ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿۴۳﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۴۴﴾

ع ۴ / ۱۰ / ۲

ترجمہ آیات ۳۵-۴۴

اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارونؑ کو اس کا مددگار بنایا۔ پس ہم نے ان کو حکم دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ جنھوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے۔ پس ہم نے ان لوگوں کو بالکل ہی پامال کر کے رکھ دیا۔ اور قوم نوح کو بھی ہم

نے ہلاک کیا جب کہ انھوں نے رسولوں کو جھٹلایا ہم نے ان کو غرق کر دیا اور ہم نے ان کو لوگوں کے لیے ایک نشانِ عبرت بنا دیا اور ان ظالموں کے لیے ہم نے ایک دردناک عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔ اور عاد، ثمود، اصحاب رسّ اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کے لیے اپنی تعلیماتِ حکمت واضح کیں اور بالآخر ہر ایک کو نیست و نابود کر دیا۔ اور یہ لوگ، تو اس بستی پر سے گزرے بھی ہیں جس پر تباہی کی بارش برسائی گئی، کیا یہ اس کو دیکھتے نہیں رہے ہیں! بلکہ یہ لوگ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے متوقع نہیں رہے ہیں۔ ۳۵-۴۰

اور جب بھی، یہ تمھیں دیکھتے ہیں بس تمھیں مذاق بنا لیتے ہیں۔ اچھا یہی ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے! اس شخص نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ ہی کر دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے! اور عنقریب، جب یہ عذاب دیکھیں گے، جان لیں گے کہ سب سے زیادہ بے راہ کون ہے۔ بھلا یہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے تم اس کے ذمہ دار ہو گے! کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں! یہ تو بس چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ۔ ۴۱-۴۴

۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا (۳۵)

حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کا ذکر | حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کا ذکر، ان کے مددگار کی حیثیت سے بار بار جو آتا ہے اس سے مقصود اس احسان اور اتمام حجت کے پہلو کو نمایاں کرنا ہوتا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ ایک رسول کے ساتھ اپنے ایک دوسرے پیغمبر کو اس کی مدد کے لیے مامور فرمایا۔ دوسرے اتمام حجت کے پہلو سے | مقام میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ اظہار و بیان کے پہلو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اندر ایک کمی

محسوس فرماتے تھے اس وجہ سے انھوں نے دعا فرمائی کہ حضرت ہارونؑ کو ان کا شریک کار بنا دیا جائے کہ ان کی زبان آوری اور فصاحت کی مدد سے وہ پوری قوت و اعتماد کے ساتھ تبلیغ حق کر سکیں تاکہ دعوت و اتمام حجت کے پہلو سے ادائے فرض میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان دونوں نبیوں نے بیک وقت فرعونیوں کو دعوت دی لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس احسان و اہتمام کی کوئی قدر نہ کی۔

فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا (۳۶)

مقصود یہاں چونکہ اجمالی اشارہ ہے اس وجہ سے پوری بات دو فقروں میں سمیٹ دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے ان دونوں رسولوں کو اپنی نشانیوں کے ساتھ ان لوگوں کی طرف بھیجا لیکن انھوں نے ان تمام نشانیوں کو سحر قرار دے کر ان کی تکذیب کر دی جس کی سزا بالآخر ان کو یہ ملی کہ ہم نے ان کو یک قلم پامال کر دیا۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تسلی ہے کہ جن کے دل مسخ ہو چکے ہوتے ہیں وہ کسی طرح بھی ہدایت قبول نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ دو دو رسولوں اور ان کے تمام معجزات کی بیک وقت تکذیب کر دیتے ہیں اور اس میں ساتھ ہی قریش کو یہ تنبیہ ہے کہ اگر انھوں نے بھی فرعون اور اس کی قوم کی روش کی تقلید کی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کا انجام ان سے کچھ مختلف ہو!

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا (۳۷)

ایک رسول کا انکار تمام رسولوں کا انکار ہے

حضرت نوحؑ کی قوم نے اگرچہ تکذیب ایک ہی رسول — حضرت نوحؑ — کی کی لیکن یہاں لفظ جمع 'الرسل' استعمال ہوا ہے اس کی وجہ ہمارے نزدیک وہی ہے جس کا ذکر ہم سورۂ ہود کی آیت ۵۹ کے تحت کر آئے ہیں کہ تمام رسولوں کا پیغام چونکہ ایک ہی اور ان کے بھیجنے والا بھی ایک ہی ہے اس وجہ سے ایک کا انکار سب کا انکار ہے۔ اس طریق تعبیر سے مقصود اس جرم کی سنگینی کی طرف توجہ دلانا ہے کہ جو لوگ کسی رسول کی تکذیب کرتے ہیں وہ سوچ لیں کہ یہ بات کہاں سے کہاں تک پہنچتی ہے۔ اس اسلوب کی مثالیں آگے والی سورہ میں بھی آئیں گی۔

'وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً'۔ یعنی ہم نے ان کے اس انجام کو بعد والوں کے لیے ایک درس عبرت بنا دیا کہ وہ اس سے سبق لیں کہ جو لوگ رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں بالآخر ان کا حشر یہ ہوا کرتا ہے۔

وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ یعنی اس قسم کے ظالموں کی سزا اسی دنیا کے عذاب پر بس نہیں ہے بلکہ ان کے لیے آخرت میں بھی ہم نے نہایت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا (۳۸)

یہاں فعل 'اَهْلَكْنَا' بربنائے قرینہ حذف ہے۔

اصحاب الرس کون تھے؟

'اصحاب الرس' کی تحقیق پر مجھے افسوس ہے کہ اب تک کامیابی نہ ہو سکی۔ ابن جریرؒ نے متعدد نام ذکر کیے ہیں لیکن ان میں سے کسی پر ان کو خود بھی اطمینان نہیں ہے۔ انھوں نے بحث کے آخر میں یہ ظاہر بھی کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی کے متعلق بھی وثوق کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔

صاحب کشاف نے دوسرے ناموں کے ساتھ قومِ شعیبؑ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے بلکہ اسی کو مقدم رکھا ہے لیکن یہ بات کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ سورۂ قٓ میں اصحاب الرس اور اصحاب الایکہ دونوں نام الگ الگ دو مستقل قوموں کے لیے آئے ہیں اور اصحاب الایکہ سے خود قرآن کی تصریح کے مطابق، جیسا کہ آگے والی سورہ میں وضاحت آئے گی، اصحاب مدین یعنی حضرت شعیبؑ کی قوم کے لوگ مراد ہیں۔ اگر اصحاب الرس سے قوم شعیب مراد ہوتی تو پھر اس کے ساتھ اصحاب الایکہ کے ذکر کا کیا محل تھا!

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن میں اس سے اسماعیلی قبائل کے بارہ سلسلوں میں سے قیدما کو مراد لیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ اس کے حالات بالکل مجہول ہیں۔ حالات کے مجہول ہونے سے قطع نظر بنی اسماعیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی رسول کی بعثت ثابت نہیں ہے اور یہاں اصحاب الرس کا ذکر جس سیاق میں آیا ہے اس سے یہ بات واضح ہے کہ ان کی طرف رسول کی بعثت ہوئی اور انھوں نے عاد و ثمود کی طرح اس کی تکذیب کی۔

بہرحال ان کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرب کی اقوام بائدہ میں سے کسی قوم کا حوالہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیجا لیکن اس نے اس رسول کی تکذیب کی اور سنتِ الٰہی کے مطابق مستحق عذاب ٹھہری۔ شعرائے جاہلیت میں زہیر نے وادی رس کا ذکر کیا ہے۔ ع

فھن ووادی الرس کالید للفم (اور وہ اور وادئی رس اس طرح تھے جس طرح منہ کو ہاتھ)

تاریخ کی نارسائی

'وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِکَ کَثِیْرًا' (اور ان کے درمیان اور بھی کتنی قومیں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر چھوڑا) قرآن میں اس بات کا جگہ جگہ ذکر ہے کہ انبیاء و رسل صرف اتنے ہی نہیں ہیں جتنے قرآن میں بیان ہوئے ہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ جو لوگ ہر چیز کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں وہ تاریخ کی نارسائی سے ناواقف ہیں۔ تاریخ کی رسائی بہت محدود ہے اور اس کا بیشتر حصہ رطب و یابس ہر قسم کے مواد پر مشتمل ہے۔ اس دنیا کے احوال سے سب سے زیادہ باخبر اس کا خالق ہی ہے اس وجہ سے اصلی اعتماد اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ہونا چاہیے نہ کہ تاریخ کی کتابوں پر۔ اگر قرآن نے کسی تاریخی واقعہ کا ذکر کیا ہے تو وہ ہمارے علم میں ایک بابرکت اضافہ ہے۔ اگر تاریخ سے بھی اس کی تائید ہو جائے تو فبہا، نہ ہو تو اس کو تاریخ کی نارسائی پر محمول کیجیے۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا (۳۹)

'ضرب مثل' کا مفہوم

'ضرب مثل' یہاں پوری وضاحت و تفصیل اور تذکیر و تنبیہ کے تمام لوازم کے ساتھ حقائق واضح کر دینے کے مفہوم میں ہے۔ جب کسی کو کوئی بات اچھی طرح ذہن نشین اور اس کے عواقب و نتائج سے پوری طرح آگاہ کر دینا ہو تو اس کے لیے حقائق کو مصور و ممثل کر دینے والی تمثیلیں اور تاریخ کے احوال و واقعات سب سے زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء چونکہ لوگوں پر اللہ کی حجت تمام کرنے کے لیے آئے اس وجہ سے انھوں نے صرف اصول و ضوابط بیان کر دینے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ تمثیلات اور تاریخ کے احوال و واقعات سے ان کو اچھی طرح مدلّل و مبرہن بھی کر دیا۔ چنانچہ آپ قرآن میں دیکھتے ہیں کہ ہر حقیقت امثال و واقعات سے اس طرح واضح کر دی جاتی ہے کہ ایک ہٹ دھرم کے سوا کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہی طریقہ تمام رسولوں نے اختیار فرمایا۔ اس کے بعد بھی جو لوگ نہیں سمجھے ظاہر ہے کہ وہ لوگ عقل و دل سے سمجھنے والے لوگ نہیں تھے بلکہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھ کر ماننے والے تھے۔ ایسوں کے بارے میں سنتِ الٰہی، جیسا کہ ہم جگہ جگہ وضاحت کرتے آ رہے ہیں، یہ ہے کہ وہ اس قہر الٰہی سے تباہ کر دیے جاتے ہیں جس کی وہ تکذیب کرتے اور جس کو آنکھوں سے دیکھنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ ہم نے ان تمام قوموں کو اچھی طرح سمجھا دیا لیکن جب انھوں نے سمجھنے سے انکار کر دیا تو بالآخر ان کو بالکل پامال بھی کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہی حشر تمھاری قوم کا بھی ہونا ہے اگر اس نے قرآن کی قدر نہ کی۔

وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۚ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا (۴۰)

آنکھوں کی بصیرت آخرت کے تصور سے پیدا ہوتی ہے

یہ اشارہ قوم لوط کی بستی کی طرف ہے۔ 'اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ' سے مراد وہ عذاب ہے جو ان پر آیا۔ اس عذاب کی نوعیت ہم نے اس کتاب میں اس کے محل میں واضح کی ہے۔ اگر اس کی پوری تحقیق مطلوب ہو تو مجموعۂ تفاسیر فراہیؒ میں سورۂ ذاریات کی تفسیر پڑھیے۔

یہ قریش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ دوسری قوموں کے احوال و مقامات سے دور یا نابلد ہیں تو کیا اس قوم کے آثار سے بھی ناآشنا ہیں جو ہمارے نہایت ہولناک عذاب کا نشانہ بنی! اس بستی پر سے تو یہ آئے دن اپنے تجارتی سفروں میں گزرتے ہیں! کیا اس کے آثار بھی یہ نہیں دیکھتے رہے ہیں! دیکھتے تو رہے ہیں لیکن چونکہ یہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے اس وجہ سے سب کچھ دیکھنے کے باوجود اندھے بنے ہوئے ہیں۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ قریش کے تجارتی قافلے قومِ لوط کی بستیوں کے کھنڈروں پر سے برابر گزرتے تھے۔ اس کی وضاحت ہم اس کے محل میں کر چکے ہیں۔

اس آیت میں یہ حقیقت واضح ہوئی کہ آدمی کی آنکھوں کے اندر بصیرت آخرت کے تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو آدمی بظاہر ٹکٹ ٹک دیکھتا تو ہے لیکن اسے نظر کچھ نہیں آتا۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۴۱-۴۲)

یعنی اللہ نے تو ان پر یہ فضل فرمایا کہ تمھارے اور قرآن کے ذریعہ سے ان پر دنیا اور آخرت کے حقائق واضح کیے لیکن ان کی محرومی اور بدبختی کا یہ حال ہے کہ جب بھی تمھیں دیکھتے ہیں تمھارا مذاق اڑاتے اور طنز و تحقیر کے انداز میں کہتے ہیں کہ اچھا یہی ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے! ان حضرت نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ ہی کر دیا ہوتا اگر ہم ان کی عبادت پر جمے نہ رہتے! فرمایا کہ آج تو ان کو اپنی حماقت پر جمے رہنے پر بڑا ناز ہے لیکن کل کو جب یہ اپنی اس جہالت کے نتیجہ میں عذاب سے دوچار ہوں گے تب انھیں اندازہ ہوگا کہ ہمارے پیغمبر نے ان کو گمراہ نہیں کرنا چاہا تھا بلکہ اس نے ان کی رہنمائی صراطِ مستقیم کی طرف کی تھی جس کو اختیار نہ کر کے بالآخر وہ کہاں سے کہاں پہنچے! 'مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا' میں جس حقیقت کی طرف اشارہ ہے اس کی وضاحت ہم اوپر آیت ۳۴ کے تحت کر آئے ہیں کہ گمراہوں کو اپنی گمراہی کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اس کا انجام سامنے نہ آئے۔ وہ اپنی خواہشوں کے غلام ہوتے ہیں اور وہ خواہشیں ان کو اس طرح اندھا بنا دیتی ہیں کہ کوئی تذکیر و تنبیہ بھی ان پر کارگر نہیں ہوتی۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۴۳-۴۴)

خواہشوں کے غلام چوپایوں سے بھی بدتر ہیں۔

'اَرَءَيْتَ' کے اسلوب خطاب پر اس کے محل میں ہم گفتگو کر چکے ہیں۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اپنی عقل کو معطل کر کے اپنی باگ اپنی خواہشوں کے ہاتھ میں پکڑا دی ہے بھلا تم ان کی ہدایت و اصلاح کے ذمہ دار کس طرح بن سکتے ہو! انسان کے اندر رہنمائی کا چراغ عقل ہے نہ کہ نفس کی خواہشیں تو جو لوگ اس چراغ کو گل کر کے اپنی خواہشوں کے پرستار بن جائیں گے آخر ان کو رستہ دکھانا کس کے بس میں ہے! یہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ خواہشیں جتنی بھی ہیں وہ سب اندھی ہیں۔ وہ صرف اپنے مطالبے کو پورا کرنا چاہتی ہیں۔ ان کو اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی کہ کیا حق ہے کیا باطل اور کیا خیر ہے کیا شر؟ تو جو شخص ان کا پیرو بن جاتا ہے، اور وہ بھی اس طرح کہ گویا وہی اس کی معبود ہیں، وہ اس طرح شیطان کے پھندے میں پھنس جاتا ہے کہ اس سے اس کے لیے چھوٹنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

'اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ الاٰیۃ' یعنی تم (خطاب پیغمبر سے ہے) اس طرح جو ان کی اصلاح کی فکر میں اپنے رات دن ایک کیے ہوئے ہو تو کیا یہ توقع رکھتے ہو کہ ان کے اندر سننے اور سمجھنے کی کچھ صلاحیت ابھی باقی ہے۔ اگر تمھارا یہ خیال ہے تو یہ صحیح نہیں ہے یہ اپنی سننے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ضائع کر کے بالکل چوپایوں کے مانند بلکہ چوپایوں سے بھی بدتر بن چکے ہیں۔

یہ بات ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ عقل و خرد کو معطل کر کے خواہشوں کی پرستش کرنے والوں کے لیے قرآن نے چوپایوں کی تعبیر جو اختیار فرمائی ہے یہ کوئی مبالغہ کا اسلوب بیان نہیں ہے بلکہ بیان حقیقت ہے۔ چوپائے بہر حال اور بہر شکل اپنی اس جبلت پر قائم رہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں سر مو اپنی جبلت سے انحراف نہیں اختیار کرتے۔ لیکن انسان جب اپنی خواہشوں کا غلام بن جاتا ہے تو وہ جبلت اور فطرت کے تمام حدود توڑ کر چوپایوں سے بھی بدتر بن جاتا ہے۔

۱۰۶- آگے کا مضمون ـــــ آیات ۴۵-۶۲

اوپر کے مجموعۂ آیات میں آپ نے دیکھا کہ تاریخ کے شواہد کی روشنی میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ اب آگے کی آیات میں بعض آفاقی و کائناتی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جن سے ان تمام باتوں کی تصدیق و تائید ہو رہی ہے جو آپ اپنی قوم کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ ان نشانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلقین بھی فرمائی گئی ہے کہ تمھیں اپنے مفوضہ فریضہ کے ادا کرنے کے لیے جن دلائل و براہین سے مسلح ہونا چاہیے وہ گوناگوں اسلوبوں سے قرآن میں واضح کر دیے گئے ہیں تو تم اسی کتاب کے ذریعہ سے ان لوگوں پر اللہ کی حجت تمام کرنے کی کوشش کرو اور ان کے ان نت نئے مطالبات و اعتراضات کی کوئی پروا نہ کرو جو وہ تمھیں زچ کرنے یا محض اپنی ساکھ جمائے رکھنے کے لیے کر رہے ہیں۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۴۵-۶۲

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡهِ دَلِیۡلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضۡنٰهُ اِلَیۡنَا قَبۡضًا یَّسِیۡرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الَّیۡلَ لِبَاسًا وَّالنَّوۡمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوۡرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ ۚ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحۡیِۦَ بِهٖ بَلۡدَةً

مَيۡتًا وَّنُسۡقِيَهٗ مِمَّا خَلَقۡنَاۤ اَنۡعَامًا وَّاَنَاسِىَّ كَثِيۡرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنٰهُ
بَيۡنَهُمۡ لِيَذَّكَّرُوۡا ۖ فَاَبٰٓى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوۡ شِئۡنَا لَبَعَثۡنَا
فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ نَّذِيۡرًا ﴿۵۱﴾ ۖ فَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِيۡنَ وَجَاهِدۡهُمۡ بِهٖ جِهَادًا
كَبِيۡرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ مَرَجَ الۡبَحۡرَيۡنِ هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلۡحٌ
اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيۡنَهُمَا بَرۡزَخًا وَّحِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ
خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهۡرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيۡرًا ﴿۵۴﴾
وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُهُمۡ وَلَا يَضُرُّهُمۡ ؕ وَكَانَ الۡكَافِرُ
عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيۡرًا ﴿۵۵﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ﴿۵۶﴾ قُلۡ
مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ
سَبِيۡلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡحَىِّ الَّذِىۡ لَا يَمُوۡتُ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖ ؕ وَ
كَفٰى بِهٖ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِيۡرًا ﴿۵۸﴾ ۛۚ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ مع
الۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ۛۚ اَلرَّحۡمٰنُ
فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا
الرَّحۡمٰنُ ۗ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَزَادَهُمۡ نُفُوۡرًا ﴿۶۰﴾ السجدة تَبٰرَكَ الَّذِىۡ
جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّجَعَلَ فِيۡهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيۡرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ
الَّذِىۡ جَعَلَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ خِلۡفَةً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ يَّذَّكَّرَ اَوۡ
اَرَادَ شُكُوۡرًا ﴿۶۲﴾

ترجمۂ آیات ۴۵-۶۲

کیا تم نے اپنے رب کی اس قدرت کی طرف نگاہ نہیں کی کہ کس طرح وہ سایہ کو پھیلا دیتا

ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو اسی طرح ساکن چھوڑ دیتا! پھر ہم سورج کو اس پر ایک دلیلِ راہ بناتے ہیں پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ ۴۵-۴۶

اور وہی ہے جس نے تمھارے لیے شب کو پردہ پوش اور نیند کو دافع کلفت بنایا اور دن کو وقتِ نشور بنایا۔ ۴۷

اور وہی ہے جو اپنے بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری بنا کر بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاکیزہ پانی اتارتے ہیں کہ اس سے مردہ زمین کو از سرِ نو زندہ کر دیں اور اس کو پلائیں اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو۔ ۴۸-۴۹

اور ہم نے اس کو ان کے درمیان گوناگون اسلوبوں سے واضح کر دیا ہے تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں لیکن اکثر لوگ، ناشکری ہی پر اڑے ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک نذیر بھیج دیتے تو تم ان ناشکروں کی بات کا دھیان نہ کرو اور اسی کے ذریعہ سے ان سے پورا پورا جہاد کرو۔ ۵۰-۵۲

اور وہی ہے جس نے ملایا دو دریاؤں کو۔ ایک کا پانی شیریں اور خوشگوار اور دوسرے کا نہایت شور و تلخ اور ان کے درمیان اس نے ایک پردہ اور ایک مضبوط بند کھڑا کر دیا۔ ۵۳

اور وہی ہے جس نے انسانوں کو پانی سے پیدا کیا اور پھر ان کو نسبی اور سسرالی رشتوں سے جوڑا اور تیرا رب بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔ ۵۴

اور یہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جو نہ انھیں کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں نہ کوئی نقصان اور یہ کافر اپنے رب کے حریف بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ہم نے تو تم کو بس ایک خوشخبری دینے والا اور ایک آگاہ کر دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم کہہ دو کہ میں تم سے اس

کا کوئی صلہ نہیں مانگ رہا ہوں۔ بس یہ ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب تک پہنچانے والی راہ اختیار کرے۔ اور اپنے زندہ خداوند پر، جو مرنے والا نہیں ہے، بھروسہ رکھو اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے آگاہ رہنے کے لیے کافی ہے۔ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کو چھ ادوار میں، پھر وہ اپنے عرش پر متمکن ہوا۔ وہ رحمان ہے پس اس کی شان باخبر سے پوچھو! اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدائے رحمان کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں، رحمان کیا ہے! کیا ہم اس چیز کو سجدہ کریں جس کا حکم تم ہمیں دیتے ہو! اور یہ چیز ان کی نفرت کو اور بڑھاتی ہے۔ ۶۰-۵۵

بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک منور چاند بنایا اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو یکے بعد دیگرے آنے والا بنایا ان کے لیے جو یاد دہانی حاصل کریں یا شکر گزار بننا چاہیں۔ ۶۱-۶۲

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ۙ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا (۴۵-۴۶)

رات اور دن کو لانا صرف خدا کے اختیار میں ہے

'اَلَمْ تَرَ' کا خطاب یہاں فرداً فرداً ہر مخاطب سے ہے۔ اور 'ظلّ' سے مراد یہاں شب کا سایہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ تمام دنیا پر پھیلا دیتا ہے اور اگر وہ اس کو مستقل طور پر مسلط کر دے تو کسی کی طاقت نہیں ہے کہ اس کو ہٹا سکے۔ یہ اسی کی شان اور قدرت ہے کہ وہ ہر روز اس سایہ کو پھیلاتا اور ہر روز اس کو سمیٹتا ہے۔ اس دنیا کے بقا کے لیے جس طرح اس کا پھیلایا جانا ضروری ہے اسی طرح اس کا سمیٹا جانا بھی ناگزیر ہے اور ان دونوں باتوں میں سے کسی پر بھی اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہی اپنے سورج کو ہر روز بھیجتا ہے جو اس تاریکی کے اندر دلیلِ راہ بنتا اور اس کو آہستہ آہستہ کافور کرتا ہے۔ یہی مضمون سورۂ قصص میں یوں بیان ہوا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۞ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۞ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (قصص ۷۱-۷۳)

ان سے کہو کہ بتاؤ، اگر اللہ رات کو تمھارے اوپر قیامت تک کے لیے مسلط کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھارے لیے روشنی کو لائے گا، کیا تم سنتے نہیں! ان سے پوچھو کہ بتاؤ، اگر اللہ تمھارے اوپر دن کو قیامت تک کے لیے مسلط کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھارے لیے شب کو لائے گا جس میں تم سکون پا سکو! کیا تم دیکھتے نہیں! یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمھارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور تاکہ تم اس کے فضل کے طالب بنو اور تاکہ تم اسی کے شکر گزار بنو۔

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا، جس طرح کسی چیز کی دلیل اس کو کھولتی اور واضح کرتی ہے اسی طرح سورج شب کی عالمگیر تاریکی کے اندر دلیلِ راہ بنتا، اس کو ہٹاتا اور کھولتا ہے۔ اگر وہ روشنی نہ دکھائے تو سب بھٹکتے ہی رہ جائیں، کسی کو پتہ نہ چلے کہ اس گنبدِ بے در کے اندر سے نکلنے کی کوئی راہ بھی ہے یا نہیں!

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا (۴۷)

رات اور دن کے فوائد و منافع

یہ اسی روز و شب کی نشانیوں کی طرف ایک دوسرے زاویہ سے توجہ دلائی۔ فرمایا کہ وہی خدا ہے جس نے شب کو تمھارے لیے پردہ پوش بنایا، تم اس کی راحت بخش چادر اوڑھ کر آرام سے سو رہتے ہو اور تمھاری نیند کو تمھارے لیے دافعِ کلفت بنایا جو تمھیں از سرِ نو زندگی کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے تازہ دم اور چاق و چوبند بنا دیتی ہے پھر دن کو تمھارے لیے از سرِ نو اٹھنے کا وقت بنایا کہ تم خدا کے رزق و فضل کے طالب بنو اور یہ ہر صبح کو قیامت کے دن اٹھنے کی یاد دہانی بھی کرتا ہے کہ جس طرح تم شب میں سونے کے بعد صبح کو اٹھ بیٹھتے ہو اسی طرح موت کی نیند کے بعد صبحِ قیامت کو جاگ پڑو گے۔ لفظ 'نشور' یہاں نہایت خوبی کے ساتھ موت کے بعد کی زندگی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دیکھنے والی آنکھیں اور سوچنے والے دل و دماغ ہوں تو روزانہ رات اور دن کی آمد و شد اور ان کے فوائد و منافع میں خدا کی قدرت، رحمت، ربوبیت، حکمت، توحید اور قیامت کی اتنی نشانیاں موجود ہیں کہ قرآن کی ہر بات کو ثابت کرنے کے لیے وہ کافی ہیں۔ لیکن یہ نشانیاں ان کے لیے نافع ہیں جن کے اندر سوچنے سمجھنے اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ پایا جاتا ہو۔ جن کے اندر یہ ارادہ نہیں پایا جاتا وہ

ان تمام نشانیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے نئی نشانیوں ہی کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں۔ آگے یہ مضمون آیت ۶۴ میں بھی آرہا ہے اور سورۂ نمل کی آیات ۸۶-۸۷ میں بھی آئے گا جس سے اس کے بعض دوسرے پہلو بھی روشنی میں آئیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۙ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا (۴۸-۴۹)

بارش کی نشانیوں کی طرف اشارہ

رَحْمَتِهٖ یہاں بارش کے مفہوم میں ہے اور یہ لفظ اس معنی میں جگہ جگہ قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ رات اور دن کی آمد و شد کے اندر اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا مشاہدہ ہو رہا ہے ان کی طرف توجہ دلانے کے بعد یہ بارش کی رحمت کی طرف توجہ دلائی جو ہر چند روز تو نہیں آتی لیکن اس زمین کا ہر جاندار اس کا محتاج ہے اور جب آتی ہے تو ہمیں پروردگار کی ان تمام صفات اور شانوں کا مشاہدہ کرا دیتی ہے جس پر قرآن کی دعوت کی بنیاد ہے۔

فرمایا کہ وہی خدا تمہارا رب ہے جو باران رحمت سے پہلے موسمی ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے جو مختلف اطراف سے بادلوں کو ہانک کر لاتی ہیں، پھر ان کو تہ بہ تہ اکٹھا کرتی ہیں، پھر جہاں کے لیے رب کا حکم ہوتا ہے وہاں وہ بادل پاکیزہ اور پاکیزگی بخش پانی برسا دیتے ہیں جس سے مردہ زمین از سرِ نو حیاتِ تازہ حاصل کر لیتی ہے اور خدا کی مخلوقات میں سے بے شمار چوپائے اور انسان اس سے سیراب ہوتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ غور کرو، کیا یہ دنیا جس کے ہر گوشے میں اتنی حکمتیں اور قدرتیں نمایاں ہیں بغیر کسی خالق کے وجود میں آگئی ہے؟ یہ سب کچھ محض کسی اندھی بہری علت العلل کا کرشمہ ہے؟ آسمان سے لے کر زمین تک ابر، ہوا، بارش اور انسان و حیوانات کی باہمی احتیاج میں یہ ربط آپ سے آپ پیدا ہو گیا ہے؟ کیا اضداد کی اس باہمی ہم آہنگی کے مشاہدہ کے بعد یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اندر مختلف ارادے کارفرما ہیں؟ کیا رحمت و ربوبیت کا یہ اہتمام انسان پر رب رحمان و رحیم کی طرف سے کوئی ذمہ داری عاید نہیں کرتا؟ کیا ہر بارش کے بعد زمین کی از سرِ نو زندگی اس حقیقت کی یاد دہانی نہیں کر رہی ہے کہ جو حکیم و قدیر اپنی قدرت و حکمت کا یہ مشاہدہ برابر کرا رہا ہے اس کے لیے لوگوں کے مرنے اور مٹی میں رل جانے کے بعد ان کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا ذرا بھی مشکل نہیں ہے؟

انسانوں اور چوپایوں کے ساتھ کَثِیْرًا کی صفت لانے سے مقصود یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں ایسی مخلوقات بھی ہیں جن کو اس نے پانی کا محتاج نہیں بنایا ہے لیکن بہت سی مخلوقات ایسی ہیں جو اپنی زندگی کے لیے پانی کی محتاج ہیں۔ ان میں سے خاص طور پر چوپایوں اور انسانوں کا ذکر فرمایا جو نمایاں اور برتر ارضی مخلوقات میں سے ہیں۔ ان کے

ذکر کے ساتھ ان کے توابع اور دوسری مخلوقات آپ سے آپ ان کے تحت آ گئے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ (۵۰-۵۲)

آنحضرتؐ کی طرف ایک التفات

یہاں قرینہ دلیل ہے کہ ضمیر مفعول کا مرجع قرآن ہے جس کی تائید و تصویب ہی کے لیے اوپر کے دلائل بیان ہوئے ہیں۔ یہ نشانیوں کے ذکر کے بیچ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التفات ہے کہ جہاں تک دلائل کا تعلق ہے ان کی وضاحت کے لیے ہم نے اس قرآن کو لوگوں کے درمیان گوناگوں اسلوبوں سے سنا دیا ہے لیکن ان کی اکثریت اس نعمت کی قدر کرنے کی بجائے ناشکری اور انکار ہی پر اڑی ہوئی ہے تو اب نہ قصور تمہاری سعی کا ہے اور نہ ہمارے اہتمام تذکیر و تعلیم کا بلکہ سارا قصور ان لوگوں کا اپنا ہے۔

قرآن کے دلائل کے گوناگوں پہلو

'تَصْرِيْف' کے مفہوم کی وضاحت دوسرے مقام میں ہو چکی ہے کہ قرآن نے ہر حقیقت کو اتنے گوناگوں پہلوؤں سے واضح کر دیا ہے کہ صرف ضدی اور ہٹ دھرم ہی ان کو جھٹلا سکتا ہے۔ 'بَيْنَهُمْ' کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ مخاطب قوم کے ہر طبقہ اور ہر گروہ پر حجت تمام کر دی گئی ہے۔ یہ نہیں ہوا ہے کہ تبلیغ و تعلیم کی یہ جد و جہد کسی خاص گروہ ہی کے اندر محدود رہی ہو۔

'وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا' یعنی اگر ہم دیکھتے کہ تمہارے اکیلے ہونے کے باعث دعوت و تبلیغ کے کام میں کوئی کسر رہی جا رہی ہے تو ہم ہر بستی میں ایک ایک مُنذر بھیج دیتے۔ ہمارے لیے یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ لیکن کمی تمہاری طرف سے نہیں ہے بلکہ ساری خرابی خود ان لوگوں کے اندر ہے جو اپنے کان بند اور اپنی عقلیں معطل کیے ہوئے ہیں۔

'فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا' - تو یہ لوگ نت نئے مطالبات تمہارے سامنے محض تمہیں زچ کرنے کے لیے جو پیش کر رہے ہیں ان کی کوئی پروا نہ کرو۔ بلکہ اسی قرآن کے ہتھیار سے اس جہاد میں برابر لگے رہو۔ 'جِهَادًا كَبِيْرًا' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہرچند ہے تو یہ جہاد نہایت کٹھن، اگر ان لوگوں کی طلب کے مطابق کوئی عذاب ان پر بھیج دیا جائے تو چشم زدن میں سارے قضیہ کا فیصلہ ہو سکتا ہے لیکن حکمت الٰہی یہی ہے کہ عذاب الٰہی کے بجائے اس کتاب ہی کے ذریعہ سے تم ان کے ساتھ جہاد کرو تاکہ ان کے اوپر اچھی طرح اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور جس کے اندر ادنیٰ رمق بھی حق کو قبول کرنے کی ہے وہ اگر چاہے تو حق کو قبول کر لے اور کسی کے لیے بھی عند اللہ کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔

'اطاعۃ' کا مفہوم

لفظ 'اطاعۃ' یہاں کسی کی بات ماننے اور اس کا لحاظ کرنے کے مفہوم میں ہے۔ دوسرے مقام میں اس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا

بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ (۵۳)

کائنات کے اضداد کی باگ خدا کے ہاتھ میں ہے

'مرج' کے معنی چھوڑنے کے ہیں اور فرات کے معنی ہیں غایت درجہ شیریں و خوشگوار۔

'حِجْرًا مَّحْجُوْرًا' کی وضاحت آیت ۲۲ کے تحت گزر چکی ہے۔ یہاں یہ مضبوط آڑ اور محکم اوٹ کے مفہوم میں ہے۔ 'حِجْرًا مَّحْجُوْرًا' اسی طرح کی ترکیب ہے جس طرح 'ظِلًّا ظَلِيْلًا' وغیرہ ترکیبیں ہیں۔

انفس کی آیات کے بعد یہ پھر آفاق کی نشانیوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت کی ایک اور عظیم نشانی کی طرف توجہ دلائی کہ وہی خدا ہے جو ایک طرف سے شیریں پانی کے دریا کو چھوڑتا ہے دوسری طرف سے کھاری پانی کے سمندر کو۔ دونوں کی موجیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ نہیں ہوتا کہ شیریں پانی کھاری بن جائے یا کھاری پانی شیریں بلکہ دونوں اپنے حدود کے اندر اپنی مزاجی خصوصیات باقی رکھتے ہیں۔ خدائے قدیر و حکیم ان کے درمیان ایک ایسی غیر مرئی دیوار کھڑی کر دیتا ہے جو نہ کسی کو نظر آتی ہے اور نہ دونوں کا باہمی ٹکراؤ اس کو توڑ ہی سکتا ہے۔ یہ اس بات کی صاف شہادت ہے کہ اس کائنات میں جتنے بھی اضداد ہیں سب ایک بالاتر حکیم و قدیر کے تصرف کے تحت ہیں۔ وہ جس کو جس حد تک چاہتا ہے ڈھیل دیتا ہے اور جس جگہ چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ مجال نہیں ہے کہ وہ خدا کے مقررہ حدود سے سرِمو تجاوز کر سکیں۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اضداد کے وجود سے مشرک قوموں کو سب سے زیادہ گمراہی پیش آئی ہے۔ انھوں نے اس کائنات کو اضداد کی ایک رزم گاہ سمجھ لیا اور ان میں سے ہر ضد کو دیوتا قرار دے کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ قرآن نے اس مغالطہ کو مختلف اسلوبوں سے رفع فرمایا ہے جن کی وضاحت ہم نے ان کے محل میں کی ہے۔ یہاں بھی اسی حقیقت کی طرف ایک نئے اسلوب سے توجہ دلائی ہے کہ اس کائنات میں جو اضداد ہیں وہ مطلق العنان نہیں ہیں بلکہ صاف نظر آتا ہے کہ ان کی باگ ایک بالاتر قوت کے ہاتھ میں ہے۔ اسی چیز کی طرف سورۂ رحمان میں بھی اشارہ فرمایا ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (۱۹: ۲۰)

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا (۵۴)

اضداد میں توافق کی ایک انفسی دلیل

'نَسَبًا وَّصِهْرًا' یعنی 'ذَا نَسَبٍ وَّصِهْرٍ'۔ 'نسب' کا مفہوم تو واضح ہے۔ 'صِهْر' اس قرابت کو کہتے ہیں جو سسرالی رشتہ سے وجود میں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ نے پانی سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا پھر ان دونوں کے اندر ایسے فطری داعیات ودیعت فرمائے کہ انسان ایک طرف نسبی تعلقات رکھنے والا بن سکے اور دوسری طرف سسرالی روابط کے ساتھ جڑ سکے اور اس طرح اس خاندان اور معاشرت و اجتماعیت کی تعمیر کرنے والا بنے جس کے لیے خالق حکیم و قدیر نے اس کو وجود بخشا ہے۔ 'وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا' یعنی یہ قدرت و اختیار صرف خدا ہی کو حاصل ہے

کہ وہ ایک ہی پانی سے اضداد کو وجود میں لائے اور پھر ان اضداد کو اپنی قدرت و حکمت سے ایک سلک میں پرو دے۔ یہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ ایک ہی حکیم و قدیر کا ارادہ اس پوری کائنات پر متصرف ہے۔ وہی اپنی قدرت سے ایک ہی مادہ سے اضداد کو وجود میں لاتا اور پھر اپنی بے نہایت حکمت سے ان اضداد کے اندر روابستگی و پیوستگی پیدا کرتا ہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اوپر کی آیات میں آفاقی دلائل بیان ہوئے تھے اور یہ دلیل انفسی دلائل میں سے ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيرًا (۵۵)

شیطان سے دوستی اور خدا سے پیکار

آفاق و انفس کے دلائل و شواہد تو اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ کائنات کا خالق و مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے جو پوری قدرت و حکمت کے ساتھ اس کے نظام کو چلا رہا ہے لیکن یہ احمق لوگ ایسی چیزوں کی پرستش کر رہے ہیں جو نہ انھیں کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں، نہ کوئی نقصان۔

'وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيرًا'۔ 'کافر' یہاں اسم جنس کے مفہوم میں ہے اور اس سے مراد وہ مشرکین ہی ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے اس لیے کہ شرک اپنی حقیقت کے اعتبار سے کفر ہی ہے۔ 'ظہیر' کے معنی مددگار کے ہیں اور جب اس کے ساتھ 'علی' آئے تو اس کے اندر حریفانہ مدمقابلہ کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اصل حقیقت تو وہ ہے جو بیان ہوئی لیکن یہ کافر اپنے رب حقیقی کے مقابل میں شیطان کے مددگار اور اپنے پروردگار کے حریف بن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور خدائے واحد کی بندگی کی اس دعوت کی اپنی پوری قوت سے مخالفت کر رہے ہیں جو خدا کا رسول ان کو دے رہا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا (۵۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تمھاری ذمہ داری صرف انذار و تبشیر ہے۔ تم اپنی دعوت ان لوگوں کو پہنچا دو اور اس کی تکذیب کے نتائج سے اچھی طرح آگاہ کر دو۔ اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا ان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اس کی بابت تم سے کوئی پرسش نہیں ہونی ہے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (۵۷)

یعنی ان کو صاف صاف سنا دو کہ میں اس دعوت کا کوئی صلہ تو تم سے مانگ نہیں رہا تھا کہ تمھارے رد و قبول کا مجھ پر کوئی اثر پڑے۔ میں نے تمھارے رب کا پیغام تمھیں پہنچا دیا ہے اور مدعا صرف یہ ہے کہ جو اپنے رب کی راہ اختیار کرنا چاہے وہ اس کو اختیار کرے۔ اگر اس کو اختیار کرو گے تو اس کا نفع تمہی کو ہوگا۔ اگر نہ اختیار کرو گے تو اس کا خمیازہ تمہی بھگتو گے۔ اس سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہی مضمون سورۂ سبا میں یوں بیان ہوا ہے: قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (۴۷)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا (۵۸)

یعنی اپنے خدائے حیّ لایموت پر بھروسہ رکھو۔ وہ زندہ خدا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس پر بھروسہ کرنے والے کبھی محروم و نامراد نہیں ہوتے۔ اس میں ایک لطیف تعریض مشرکین کے ان مردہ خداؤں پر ہے جن کی نسبت فرمایا ہے کہ نہ وہ کوئی نفع پہنچا سکتے نہ نقصان۔

'وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ' یہ حصول صبر و توکل کا وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و توکل کی تلقین فرمائی گئی ہے وہاں زیادہ سے زیادہ خدا کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہنے اور اہتمام نماز کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اس پر اس کے محل میں ہم وضاحت کے ساتھ بحث کر چکے ہیں۔

'وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا' یعنی اپنے ان مخالفین کا معاملہ اپنے رب کے حوالہ کرو۔ وہ ان کے تمام جرائم سے پوری طرح باخبر ہے اور جب باخبر ہے تو ان کے ساتھ وہی کرے گا جس کے یہ سزاوار ہیں۔

الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا (۵۹)

چند صفاتِ الٰہی کی طرف اشارہ

یہ اسی خدائے حیّ لایموت کی مزید صفات بیان ہوئیں کہ اسی نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ چھ دنوں سے مراد، جیسا کہ اعراف ۵۴ کے تحت ہم واضح کر چکے ہیں، خدائی ایام ہیں جن کے طول و عرض کو وہی جانتا ہے۔ ہم ان کو اپنی زبان میں چھ ادوار سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کائنات کسی اتفاقی حادثہ کے طور پر نہیں آگئی ہے بلکہ اس کے خالق نے اس کو نہایت اہتمام سے پیدا کیا ہے۔

'ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ' یعنی اس اہتمام سے اس کائنات کو پیدا کر کے اس کا خالق کسی گوشے میں نہیں جا بیٹھا ہے جیسا کہ احمقوں نے گمان کیا ہے۔ اگر وہ ایسا کرتا تو یہ ایک کارِ عبث ہوتا اور ایک مدبر و حکیم کی شان کے یہ بات بالکل خلاف ہے کہ وہ کارِ عبث کرے۔ بلکہ وہ بالفعل اپنی اس کائنات کے عرشِ حکومت پر متمکن ہے اور اس کے سارے انتظام کی نگرانی فرما رہا ہے۔ اس میں جو ارتقاء ہوا ہے وہ خود بخود نہیں ہوا ہے بلکہ اس کے خالق کی تدبیر و حکمت سے ہوا ہے اور اس کے نظم و نسق میں اس کے سوا کسی کو بھی کوئی دخل نہیں ہے۔

'الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا' 'الرَّحْمَٰنُ' خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف ہے۔ یعنی جس نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے وہ رحمان ہے۔ مخاطب کی پوری توجہ خبر پر مرکوز کرنے کے لیے مبتدا کو حذف کر دیا۔ یہاں صفتِ رحمان کی تذکیر سے مقصود خاص طور پر اس کائنات کے باغایت و بامقصد ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا خالق رحمان ہے اور اپنی اس رحمت ہی کے لیے اس نے اس کو

پیدا کیا ہے۔ اس کی اس صفت کا لازمی تقاضا ہے کہ ایک ایسا دن وہ لائے جس میں اس کی یہ رحمت، اس کے کامل عدل کے ساتھ ظہور میں آئے۔ اس مضمون کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔

خدا اپنی صفات کو خود ہی جانتا ہے

'فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا' میں خطاب عام مخاطبوں سے ہے جن سے اوپر سے بحث چلی آ رہی ہے اور ضمیر مجرور کا تعلق 'خبیر' سے ہے۔ 'سئوال' کے ساتھ 'ب' کا صلہ اسی صورت میں آتا ہے جب یہ لفظ استہزاء کے مفہوم پر متضمن ہو۔ یہاں اس کا محل نہیں ہے۔ 'خبیر' سے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات والاصفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس کی تنکیر اظہار تفخیم کے لیے ہے۔ فرمایا کہ خدا نے اپنی جو صفتیں بیان فرمائی ہیں اس کی حقیقی صفتیں وہ ہیں نہ کہ وہ جو تم نے اپنے جی سے گھڑ کر اس کی طرف منسوب کر رکھی ہیں۔ اگر اس کی صفتیں معلوم کرنی ہیں تو اٹکل کے تیر تکّے نہ چلاؤ بلکہ اسی خبیر سے معلوم کرو جو اپنی صفات سے سب سے زیادہ واقف خود ہے۔ بالکل اسی اسلوب میں سورۂ فاطر میں ارشاد فرمایا ہے: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (۱۴) (اور قیامت کے دن تمھارے شرکاء تمھارے شرک کا انکار کر دیں گے اور ایک باخبر سے بڑھ کر تمھیں کوئی دوسرا خبر نہیں دے سکتا) ظاہر ہے کہ یہاں 'خبیر' سے مراد اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی کتاب اور اپنے رسول کے واسطہ سے لوگوں کو اصل حقائق سے آگاہ فرما رہا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا (۶۰)

اسم رحمان پر قریش کا اعتراض اور اس کا جواب

یعنی اس کائنات کے خالق کی سب سے بڑی صفت تو رحمان ہے لیکن ان نادانوں کا حال یہ ہے کہ جب ان کو خدائے رحمان کو سجدہ اور اس کی عبادت کی دعوت دی جاتی ہے تو بڑی رعونت کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ یہ رحمان کیا چیز ہے؟ کیا ہم ہر اس چیز کو سجدہ کریں جس کا تم ہمیں حکم دیتے ہو؟ 'وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا' یعنی بجائے اس کے کہ مطلوب حقیقی کی طرف رہنمائی سے وہ خوش ہوں اور صدق دل سے اس کی قدر کریں، یہ چیز ان کی نفرت اور بیزاری کو بڑھاتی ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۱۰ کے تحت ہم تفصیل کے ساتھ یہ بیان کر چکے ہیں کہ اہل عرب اگرچہ خدا کے لیے اسم رحمان سے ناواقف نہیں تھے، ان کے لٹریچر میں اللہ اور رحمان دونوں نام ملتے ہیں لیکن اسم رحمان زیادہ معروف اہل کتاب کے ہاں تھا، مشرکین عرب زیادہ تر اسم اللہ ہی بولتے تھے۔ قریش کے لیڈروں نے اس چیز کو بھی قرآن کے خلاف اپنی قوم کو بھڑکانے کا ایک بہانہ بنا لیا۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ انھوں نے قرآن کے خلاف یہ بدگمانی پیدا کرنے کی بھی کوشش کی تھی کہ اس کی تصنیف میں بعض علمائے اہل کتاب بھی شریک سازش ہیں۔ اس کے ثبوت میں وہ لفظ رحمان پیش کرتے کہ دیکھو اس کتاب میں لفظ 'رحمان' بار بار آتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کچھ اہل کتاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پردے میں ہمارے

اوپر اپنے دینی تصورات کو مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ بدگمانی کی فضا میں اس طرح کے شوشے عوام کو بھڑکانے کے لیے بڑے کارگر ہوتے ہیں۔ اس سے قومی اور مذہبی دونوں ہی قسم کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوتا ہے چنانچہ بہت سے جاہلوں کے اندر اسمِ رحمان کے خلاف ایک شدید قسم کی عصبیت و نفرت پیدا ہو گئی۔ قرآن نے ان کی اس حماقت پر سورۂ بنی اسرائیل میں بھی توجہ دلائی ہے اور یہاں بھی کہ یہ نام تمھارے لیے بے شمار برکتوں اور رحمتوں کا خزانہ ہے۔ دوسروں کی ضد میں اپنے کو اس بابرکت نام کی برکتوں سے کیوں محروم کرتے ہو!

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ جَعَلَ فِیۡہَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیۡرًا ○ وَ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ خِلۡفَۃً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّکَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُکُوۡرًا (۶۱-۶۲)

اصل ضرورت نشانیوں کی نہیں بلکہ نشانیوں سے فائدہ اٹھانے کے ارادہ کی ہے

اوپر کی آیاتِ التفات کے بعد یہ آخر میں پھر آیاتِ آفاق کی طرف توجہ دلائی کہ جہاں تک نشانیوں کا تعلق ہے ان کی کمی نہیں ہے۔ ضرورت کسی نئی نشانی کی نہیں بلکہ نشانیوں سے فائدہ اٹھانے کے جذبے اور ارادے کی ہے۔ جن کے اندر یہ جذبہ اور ارادہ نہیں پایا جاتا وہ ہر قسم کی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی اندھے ہی بنے رہتے ہیں۔

لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّکَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُکُوۡرًا۔ تَذَکُّر عقل کا فعل ہے اور شکر دل کا۔ اللہ تعالیٰ نے عقل اور دل کو بیدار کرنے والی نشانیوں سے اس کائنات کے چپہ چپہ کو معمور کر رکھا ہے لیکن ان سے صحیح فائدہ اٹھانا انسان کے اپنے ارادے پر منحصر ہے اور اس ارادے کے امتحان ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اسی پر اس کے تمام شرف کا انحصار ہے اس معاملہ میں اس نے جبر کو پسند نہیں فرمایا ہے۔

بروج سے مراد

جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا۔ بروج کی وضاحت سورۂ حجر کی آیت ۱۶ کے تحت گزر چکی ہے۔ ہمارے نزدیک اس سے وہ قلعے اور دیدبان مراد ہیں جو اس نظامِ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اس لیے بنائے ہیں کہ شیاطین جن و انس ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ ان قلعوں اور دیدبانوں میں اللہ کے کرّوبیوں کا پہرہ رہتا ہے جو استراق سمع کرنے والے شیاطین کی نگرانی کرتے ہیں۔ یہ انتظام اللہ تعالیٰ نے اس لیے فرمایا ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کے حدود میں اس کے مقرّب فرشتوں کے سوا کسی اور کی رسائی نہ ہو سکے، صرف وہی ان حدود میں داخل ہوتے ہیں اور وہی اس کی وحی اور اس کی اتاری ہوئی غیب کی خبریں اس کے نبیوں اور رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس واسطہ کے سوا غیب کی باتیں معلوم کرنے کا کوئی اور واسطہ نہیں ہے اس وجہ سے غیب دانی کے دوسرے مدعی خواہ وہ کاہن و منجم ہوں یا کوئی اور، سب جھوٹے ہیں ـــ یہ امر ملحوظ رہے کہ اس انتظام کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے تَبٰرَکَ کی اسی تمہید سے فرمایا ہے جس سے سورہ کا آغاز فرمایا ہے۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یکسر خیر و برکت

ہونے کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ وہ وحی کے چشمۂ صافی کو ہر قسم کی شیطانی دراندازیوں سے بالکل محفوظ رکھے اس لیے کہ روح اور دل کی زندگی اور دنیا و آخرت کی تمام صلاح و فلاح کا انحصار اسی پر ہے۔ یہاں ان اشارات پر اکتفا فرمائیے۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث ان شاء اللہ آخری گروپ کی سورتوں میں آئے گی۔

'خِلْفَةً' کا مفہوم وہی ہے جو قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں 'اختلاف الیل والنہار' کے الفاظ سے تعبیر ہوا ہے یعنی رات اور دن کی ایک دوسرے کے پیچھے گردش۔ یہ گردش جن حقائق کی یاددہانی کرتی ہے ان کی وضاحت دوسرے مقامات میں ہو چکی ہے۔

۸۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۶۳-۷۷

خاتمۂ سورہ

آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے اوصاف گنائے ہیں جن کی عقل و دل کی صلاحیتیں زندہ ہیں اور وہ اس کی نشانیوں اور اس کی نازل کی ہوئی کتاب سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ تصویر ان لوگوں کی ہے جو آگے بڑھ کر قرآن پر ایمان لانے والے بنے اور اسی تصویر سے ان لوگوں کا ظاہر و باطن بھی بالکل بے نقاب ہو گیا ہے جو قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے تھے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۶۳-۷۷

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ ۖ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَ
مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَ
الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَ
الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ
وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا
صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ
مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ
كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع ۶

ترجمۂ آیات ۶۳-۷۷

اور خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے الجھتے ہیں تو وہ ان کو سلام کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور جو راتیں اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں گزارتے ہیں اور جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ بے شک اس کا عذاب بالکل چمٹ جانے والی چیز ہے۔ بے شک وہ نہایت ہی برا مستقر اور نہایت ہی برا مقام ہے۔ ۶۳-۶۶

اور جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے اور نہ تنگی اور اس کے درمیان کی معتدل راہ اختیار کرتے ہیں۔ ۶۷

اور جو نہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارتے اور نہ اس جان کو جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا بغیر کسی حق کے قتل کرتے اور نہ بدکاری کرتے اور جو کوئی ان باتوں کا مرتکب

ہوگا وہ اپنے گناہوں کے انجام سے دوچار ہوگا۔ قیامت کے دن اس کے عذاب میں درجہ بدرجہ اضافہ کیا جائے گا اور وہ اس میں خوار ہوکر ہمیشہ رہے گا۔ مگر وہ جو توبہ کرلیں گے، ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے تو اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو توبہ کرتا ہے اور عمل صالح اختیار کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ کی طرف لوٹتا ہے۔ ۶۸-۷۱

اور جو کسی باطل میں شریک نہیں ہوتے اور اگر کسی بے ہودہ چیز پر سے ان کا گزر ہوتا ہے تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو ان کے رب کی آیات کے ذریعہ سے یاددہانی کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہوکر نہیں گرتے۔ اور جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی جانب سے آنکھوں کی ٹھنڈک بخش اور ہم کو پرہیزگاروں کا سربراہ بنا۔ ۷۲-۷۴

یہ لوگ ہیں کہ ان کو ان کی ثابت قدمی کے صلے میں بالا خانے ملیں گے اور ان میں ان کا خیر مقدم تحیت و سلام کے ساتھ ہوگا۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ خوب ہوگا وہ مستقر اور مقام۔ ۷۵-۷۶

کہہ دو کہ میرے رب کو تمہاری کیا پروا ہے اگر تمہیں دعوت دینا مدِنظر نہ ہوتا! سو تم نے اس کی تکذیب کردی تو وہ چیز عنقریب لازم ہوکر رہے گی۔ ۷۷

۹- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۶۳)

'هَوْنٌ' اور 'سَلٰمٌ' کا مفہوم

'هَوْنٌ' کے معنی خاکساری اور فروتنی کے ہیں اور 'سَلٰمٌ' جس طرح خیر مقدم کے مواقع کے لیے ہے اسی طرح ان مواقع کے لیے بھی ہے جب کسی سے خوبصورتی اور شائستگی کے ساتھ علیحدہ ہونا اور اس سے پیچھا چھڑانا مقصود ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے علیحدہ ہوتے وقت جو سلام کیا وہ اسی طرح کا سلام تھا۔

عبادِ شیطان کے بعد عبادالرحمٰن کا بیان

اوپر کی آیات میں، ان متمردین کا ذکر گزر چکا ہے جو کبر و غرور کے نشہ میں نہ کسی بات کو سننے کے لیے تیار تھے نہ سمجھنے کے لیے، یہاں تک کہ ان کے لیے خدا کا محبوب نام 'رحمان' بھی ایک چڑ بن کر رہ گیا تھا اور وہ اس کے سننے کے بھی روادار نہ تھے۔ اب ان کے مقابل میں یہ 'عبادالرحمان' کی خصوصیات بیان ہوئی ہیں جن سے مقصود ایک طرف تو متمردین قریش کے سامنے ایک ایسا آئینہ رکھ دینا ہے جو ان کے آگے انسانیت کے اصلی حسن و جمال کو بے نقاب کر دے تاکہ اس طرح ان پر بھی ان کے ظاہری و باطنی عیوب اچھی طرح واضح ہو جائیں اور مسلمانوں پر بھی نہایت عمدہ پیرائے میں واضح ہو جائے کہ خدائے رحمان کے بندوں کو اس دنیا میں کیا روش اختیار کرنی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو کن محاسن سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہے۔

استکبار شیطان کی سنت ہے

یہاں موقع کلام کے تقاضے سے سب سے پہلے جس صفت کا حوالہ دیا ہے وہ فروتنی و خاکساری ہے۔ فرمایا کہ ہمارے یہ بندے زمین میں اکڑتے اور اتراتے نہیں بلکہ نہایت تواضع کے ساتھ چلتے ہیں۔ یہ چلنے میں خاکساری ان کے باطن کے ایک عکس کی حیثیت سے مذکور ہوتی ہے۔ اصل مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ان کے دلوں پر خدا کی عظمت و کبریائی کی ایسی ہیبت طاری رہتی ہے کہ یہ چیز ان کے ہر اس قدم سے نمایاں ہوتی ہے جو وہ زمین پر رکھتے ہیں۔ انسان کے اندر استکبار ہو تو یوں تو وہ اس کی ہر حرکت سے نمایاں ہوتا ہے لیکن اس کی چال خاص طور پر اس کا مظہر ہوتی ہے اس وجہ سے یہاں خاص طور پر اس کا حوالہ دیا۔ مقصود در اصل، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہی ہے کہ ان کے دل استکبار سے پاک ہیں۔ استکبار کی حقیقت حق کے آگے اکڑنا ہے۔ اگر ایک شخص ہر حق کے آگے، خواہ وہ بڑا ہو چھوٹا، سر تسلیم خم کر دے تو وہ عبادالرحمٰن میں شامل ہے اگرچہ وہ حق کی حمیت و حمایت میں سینہ تان کر اور سر اونچا کر کے چلے اور اگر وہ حق کے آگے سرکشی کرے تو وہ اولیائے شیطان میں سے ہے اگرچہ وہ اپنی چال میں مصنوعی طور پر کتنی ہی مسکینی پیدا کر لے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ استکبار ابلیس کی سنت ہے اور یہ وہ بس کی گانٹھ ہے جس کے ہوتے آدمی کے اندر کسی نیکی کا نشوونما پانا ناممکن ہے۔

بدتمیزوں سے الجھنا عبادالرحمٰن کی شان کے خلاف ہے

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ 'مُخَاطَبَۃ' یہاں اُلجھنے کے مفہوم میں ہے۔ یعنی جب اس طرح کے اُجڈ اور بدتمیز لوگ، جن کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر پھبتیاں اوپر مذکور ہوئی ہیں، ان سے اُلجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کو اپنے تمسخر و استہزا کا ہدف بناتے ہیں تو وہ سنتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہیں، ان سے اُلجھنے کے بجائے ان کو سلام کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ 'سلام'، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، کسی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا ایک شائستہ اور بابرکت طریقہ ہے۔ اس طرح اگر کسی سے علیحدگی اختیار کی جائے تو توقع ہے کہ اس کے اندر خیر کی کوئی رمق ہوگی تو وہ اپنے رویہ پر نظر ثانی کرے گا اور الجھنے الجھانے کے بجائے بات سننے اور سمجھنے کی طرف مائل ہوگا اور اگر کسی کے

اندر خیر کی کوئی رمق ہی نہیں ہے اور وہ محض مجادلہ و مناظرہ کے درپے ہے تو ایسے شخص کو منہ لگانا عباد الرحمٰن کے شایانِ شان نہیں ہے۔ یہ مضمون سورۂ قصص کی آیت ۵۵ میں وضاحت سے آئے گا۔

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا (۶۴-۶۶)

عباد الرحمٰن کی خلوت کی زندگی

اوپر کی آیت میں ان کی جلوت کی زندگی کے ایک خاص پہلو کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں ان کی خلوت کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ فرمایا کہ وہ اپنی راتیں اپنے رب کے آگے سجود و قیام میں گزارتے ہیں۔ سُجَّدًا وَقِيَامًا کے اسلوبِ بیان سے جو شوق و اضطراب نمایاں ہو رہا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے صرف فرض نمازیں مراد نہیں ہیں بلکہ یہ تہجد کے سجود و قیام کی شب بیداریوں اور بے قراریوں کی تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی راتیں نہ عیش کدوں میں گزارتے اور نہ نرم و گرم بستروں میں، دنیا و عاقبت سے بے فکر ہو کر سوتے بلکہ راتوں میں اٹھ اٹھ کر عذابِ جہنم سے بچائے جانے کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔

إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۔ غرام لازم ہو جانے والی اور چمٹ جانے والی چیز کو کہتے ہیں۔ یہ ٹکڑا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اس اندیشے کی تائید و تصدیق کے طور پر ہے جس کے باعث وہ اپنی راتیں اس بے چینی و بے قراری میں گزارتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس طرح عذابِ جہنم سے پناہ مانگتے ہیں تو یہ بالکل صحیح اور نہایت عاقبت اندیشانہ کام کر رہے ہیں اس لیے کہ عذابِ جہنم ایک ایسی چمٹ جانے والی چیز ہے کہ اس سے پیچھا چھڑانا ناممکن ہو گا۔ اس سے بچنے کے لیے جو کچھ کیا جا سکتا ہے اسی زندگی میں کیا جا سکتا ہے اور صرف خدا ہی کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا۔ 'مُسْتَقَر' اور 'مُقام' یوں تو ہم معنی الفاظ کی حیثیت سے بھی استعمال ہوتے ہیں لیکن جب یہ دونوں ایک ساتھ استعمال ہوں تو ان کے درمیان کچھ فرق ہو جاتا ہے۔ میں ان کے مواقعِ استعمال پر غور کرنے سے جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ 'مُسْتَقَر' میں مستقل قیام گاہ کا مفہوم پایا جاتا ہے اور 'مُقام' عارضی جائے قیام کے لیے بھی آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہنم ایک ایسی ہولناک جگہ ہے کہ مستقل مستقر کی حیثیت سے تو درکنار ایک عارضی منزل کی حیثیت سے بھی وہ گوارا کیے جانے کے قابل نہیں ہے حالانکہ کوئی بری سے بری جگہ بھی ایسی ہو سکتی ہے کہ کسی پہلو سے وہ وقتی طور پر گوارا کی جا سکے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (۶۷)

انفاق کے لیے اہتمام

یہ ان کے اس اہتمام کی طرف اشارہ ہے جو ان کے اندر انفاق فی سبیل اللہ کے لیے پایا جاتا ہے۔ فرمایا کہ جب وہ اپنی ضروریات پر خرچ کرتے ہیں تو اس میں احتیاط و کفایت شعاری ملحوظ رکھتے ہیں۔ نہ وہ اس میں اسراف کو راہ دیتے ہیں نہ بخالت کو۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے مال میں دوسروں کے بھی حقوق ہیں۔ اس وجہ سے وہ اپنی ضروریات کو ان کے حدود سے متجاوز نہیں ہونے دیتے تاکہ دوسروں کے حقوق ادا کر سکیں۔

اگرچہ متوسط درجہ کی زندگی کے لیے کوئی ایک معین معیار مقرر کرنا مشکل ہے۔ اس میں حالات کے تغیر کے اعتبار سے فرق ہو سکتا ہے لیکن یہ فرق اتنا باریک نہیں ہے کہ ایک عام آدمی اس کو معلوم نہ کر سکے۔ اپنی قوم اور اپنے معاشرے کے معیار کو سامنے رکھ کر ہر صاحب دل اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا کیا معیار رکھے کہ اپنے دوسرے غریب بھائیوں اور اپنے دین کی بھی خدمت کر سکے۔ اس معاملہ میں سلف صالحین نے ہمارے لیے جو نمونہ چھوڑا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللوتس دینے کے بجائے آدمی کا غالب رجحان دوسرے پہلو کی طرف رہنا چاہیے۔ یعنی وہ اپنا معیارِ زندگی اونچا کرنے کے خبط میں مبتلا ہونے کے بجائے زیادہ سے زیادہ انفاق فی سبیل اللہ کرے۔ اس راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف نہیں ہے۔ رہے وہ لوگ جو معیارِ زندگی اونچا کرنے کی تونس میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ شیطان کے بھائی بن جاتے ہیں اور ان کو کبھی خدا اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ جس معاشرے میں یہ بیماری عام ہو جاتی ہے بالآخر اس پر اشتراکیت کا عذاب مسلط ہو کر رہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (۶۸)

'اَثَام' کے معنی جوہری نے نتیجہ گناہ کے لیے ہیں۔ یہ اسی طرح کا استعمال ہے جس طرح کوئی فعل یا اثم لاتے ہیں اور مقصود اس سے اس کا ثمرہ و نتیجہ ہوتا ہے۔ 'فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا' میں بھی یہی اسلوب ملحوظ ہے۔ فرمایا کہ نہ وہ اپنے رب کا کسی کو شریک ٹھہراتے اور نہ کسی جان کو ناحق قتل کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے۔ 'اَلنَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ' میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جان کو محترم ٹھہرایا ہے اور اس پر تعدی حرام ہے الا آنکہ وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس کے نتیجہ میں وہ قانونِ الٰہی کی اس حفاظت سے محروم ہو جائے۔ یہ تینوں جرائم ــــ شرک، قتل اور زنا ــــ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلہ کے سب سے بڑے جرائم میں سے ہیں۔ اس بات پر تمام آسمانی مذاہب کا اتفاق ہے۔ فرمایا کہ خدائے رحمان کے بندے ان جرائم کے پاس نہیں پھٹکتے۔ جو لوگ ان کے مرتکب ہو رہے ہیں یاد رکھیں کہ وہ ان کے انجام سے لازماً دوچار ہوں گے۔

جرائم سے اجتناب

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (۶۹)

'مُضَاعَفَة' کے معنی کسی شے پر اضافہ کرنے کے ہیں۔ عام اس سے کہ یہ اضافہ دوگنا ہو یا اس سے زیادہ۔ اور استعمالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر تدریجی اضافہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے جس طرح 'لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً' میں ہے۔

یہ اسی نتیجہ جرائم کا بیان ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہوا۔ فرمایا کہ جو لوگ ان جرائم میں سے کسی جرم کے مرتکب ہوں گے وہ قیامت میں ان کی سزا اس طرح بھگتیں گے کہ بالتدریج ان کی سزا میں اضافہ

ہی ہوتا جائے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کچھ سزا بھگت کر وہ چھوٹ جائیں یا آہستہ آہستہ ان کی سزا میں کچھ تخفیف ہوجائے، بلکہ وہ نہایت ذلت کی حالت میں اس عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔ عذاب پر ذلت کے اضافہ نے اس کی سنگینی دوچند کر دی ہے۔ عذاب ایسا بھی ہو سکتا ہے جو عذاب تو ہو لیکن اس میں ذلت نہ ہو لیکن اس عذاب میں ذلت کی مار بھی ہوگی۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ باتیں قریش کے متکبرین کو سنائی جا رہی ہیں اور استکبار کی اصل سزا دائمی ذلت ہی ہے۔

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا (۷۰-۷۱)

توبہ کے اثرات

فرمایا کہ اس نتائج اعمال کے عذاب سے صرف وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو توبہ و اصلاح کر کے ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کر لیں گے۔ توبہ کے شرائط و آداب پر ہم نساء: ۱۷ کے تحت مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ 'يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ' کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں ان کی نیکیاں ان کے اعمال نامے کے پچھلے گناہوں کو محو کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی جگہ پر ان کی نیکیوں کو رکھ دیتا ہے جو ان کے گناہوں کو ڈھانک لیتی ہیں۔

توبہ کرنے والوں کے لیے عظیم بشارت

وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا۔ یہ ٹکڑا بالکل 'وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا' کے مقابل میں ہے اور اس میں توبہ کرنے والوں کے لیے عظیم بشارت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے گناہوں کے ساتھ ہی مریں گے وہ تو بہرحال اپنے گناہوں سے دوچار ہوں گے لیکن جو توبہ کر لیں گے وہ نہایت سرخروئی کے ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹیں گے۔ 'مَتَابًا' کی تاکید تفخیم شان کے لیے ہے یعنی یہ لوٹنا نہایت عزت و شان کا ہوگا۔ سیدنا مسیحؑ نے کھوئی ہوئی بھیڑ والی تمثیل میں نہایت بلاغت سے یہ بات سمجھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے توبہ کرنے والے بندے کی توبہ سے کس قدر خوش ہوتا ہے اور اس کو اپنے کس درجے کے فضل و کرم سے نوازتا ہے۔ وہی بات اس آیت سے واضح ہو رہی ہے۔

اس میں توبہ کے لیے حوصلہ افزائی کا یہ پہلو بھی ہے کہ بسا اوقات آدمی گناہ کی زندگی چھوڑنے سے اس وجہ سے گھبراتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اس نے یہ زندگی چھوڑ دی تو اسے اپنے لیے ایک نیا ماحول تلاش کرنا پڑے گا جو ایک نہایت مشکل کام ہے۔ یہ آیت ایسے لوگوں کو تسلی دیتی ہے کہ جو لوگ برائی اور برے ماحول کو چھوڑتے ہیں ان کو اللہ کی معیت اور سرپرستی حاصل ہوتی ہے اور جن کو یہ چیز حاصل ہو وہ ہر چیز سے مستغنی ہیں۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (۷۲)

لغویات سے احتراز

'زُور' کذب و باطل کو کہتے ہیں اور 'لَغْو' سے مراد وہ باتیں اور کام ہیں جو ثقہ و سنجیدہ لوگوں کے شایان شان نہ ہوں۔ فرمایا کہ ہمارے یہ بندے کسی باطل کام میں شریک نہیں ہوتے اور اگر کسی لغو چیز

کے پاس سے گزرنا ہی پڑ جائے تو نہایت وقار و شرافت سے وہاں سے گزر جاتے ہیں جس طرح ایک گندی جگہ سے ایک صفائی پسند آدمی گزر جاتا ہے۔ سورۂ قصص آیت ۵۵ میں یہی بات یوں بیان ہوئی ہے۔ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؗ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ؗ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (اور جب وہ لغو باتیں سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے ساتھ تمھارے اعمال، ہمارا سلام لو، ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے)

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (۷۳)

قرآن کے مخالفین پر تعریض

اس آیت میں اللہ کے ان بندوں کی تعریف بھی ہے اور ساتھ ہی اس میں قرآن کے ان اندھے بہرے مخالفین پر تعریض بھی جو قرآن کو محض اعتراض و نکتہ چینی کے لیے سنتے تھے۔ فرمایا کہ ہمارے ان بندوں کو قرآن کے ذریعہ سے جب تعلیم و تذکیر کی جاتی ہے تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس کی مخالفت کے لیے اس پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔ یہ مضمون سورۂ جن آیت ۱۹ اور معارج آیات ۳۶-۳۷ میں تفصیل سے آئے گا۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (۷۴)

اہل و عیال کی عاقبت کی فکر

یہ لوگ اپنی عاقبت کی فکر کے ساتھ اپنے اہل و عیال اور اپنی آل و اولاد کی عاقبت کی بھی برابر فکر رکھتے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ ' ہر شخص اپنے اہل و عیال کا چرواہا بنایا گیا ہے اور قیامت کے روز ہر شخص سے اس کے گلہ کے خیر و شر سے متعلق پرسش ہونی ہے۔ اس ذمہ داری کا کما حقہٗ احساس رکھنے کی وجہ سے وہ اپنے اہل و عیال کے اندر ان لااُبالی لوگوں کی طرح زندگی نہیں گزارتے جن کو صرف اپنے عیش دنیا کی فکر ہوتی ہے، اس امر سے انھیں کوئی بحث نہیں ہوتی کہ ان کے اہل و عیال نیکی کی راہ پر چل رہے ہیں یا بدی کی۔ ان لوگوں کے لااُبالی پن کا ذکر سورۂ قیامہ اور سورۂ مطففین میں آئے گا۔ اللہ کے بندوں کا حال اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ان کو دنیا سے زیادہ اپنے متعلقین کی آخرت کی فکر رہتی ہے کہ ان میں سے کوئی شیطان کی راہ نہ اختیار کرے۔ سورۂ طور کی آیت اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ (۲۶) (اور ہم اس سے پہلے اپنے اہل و عیال میں ڈرنے والے تھے) میں ان کے اسی فکر و اندیشہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس اندیشے کی وجہ سے وہ برابر اپنے رب سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے رب! ہم کو ہمارے اہل و عیال کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کر، ان کے اعمال و اخلاق تیری پسند اور ہماری تمناؤں کے مطابق ہوں اور ہم اس دنیا میں صالحین و متقین کے سربراہ ہوں اور آخرت میں بھی صالحین و متقین کے سربراہ کی حیثیت سے اٹھیں، فساق و فجار کے امام کی حیثیت سے نہ اٹھیں۔

ہم نے اس آیت کی جو تاویل کی ہے اس سے یہ بات واضح ہے کہ یہ قیادت و سیادت کے حصول کی

دعا نہیں ہے بلکہ ہر صاحب کنبہ کو بالفعل جو سیادت حاصل ہوتی ہے اس کی ذمہ داریوں سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہونے کی دعا ہے۔ اس آیت کی تفسیر ہم نے اپنی کتاب 'توضیحات' میں بھی لکھی ہے۔ تفصیل کے طالب اس کو پڑھیں۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا (۷۵-۷۶)

تواضع کا صلہ جنت کی عالی مقامی

فرمایا کہ یہ لوگ جو مذکورہ بالا صفات سے متصف ہیں اپنے ان اوصاف و اعمال کے صلے میں جنت کے بالاخانے پائیں گے۔ انھوں نے دنیا میں تواضع اور فروتنی کی زندگی گزاری اس وجہ سے یہ جنت کی عالی مقامی کے سزاوار ہوں گے۔ حضرت مسیحؑ نے فرمایا ہے 'مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں، آسمان کی بادشاہی میں وہی داخل ہوں گے'۔

بِمَا صَبَرُوا سے یہ بات واضح ہوئی کہ ان اوصاف کا پیدا کرنا اور ان کو برقرار رکھنا کوئی سہل بازی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بڑے صبر و استقامت کی ضرورت ہے۔ وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا یعنی جو لوگ اس امتحانِ صبر میں پورے اتر جائیں گے وہ بے شک اس بات کے سزاوار ہوں گے کہ خدا کے فرشتے مبارک سلامت کے ساتھ ان کا خیر مقدم کریں۔

حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا۔ اوپر دوزخ کے لیے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کے مقابل میں یہ الفاظ جنت کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مستقر ہونے کی حیثیت سے بھی خوب ہے اور مقام ہونے کے اعتبار سے بھی خوب ہے!

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (۷۷)

مخالفین کو دھمکی

یہ آخر میں مخالفین کو دھمکی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ ان لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میں جو تمھارے پیچھے اس طرح پڑا ہوا ہوں تو اس وجہ سے نہیں کہ تمھارے بغیر خدا کا کوئی کام بند ہے یا بند ہو جائے گا۔ میرے رب کو تمھاری یا کسی کی کیا پروا ہو سکتی ہے! مقصود صرف تمھیں حق کی دعوت دینا ہے اور اس میں فائدہ سرتاسر تمھارا ہی ہے نہ کہ میرا اور نہ میرے رب کا۔ اب اگر تم نے اس دعوت کو جھٹلا دیا ہے تو اس کا جو انجام ہے اس کے لیے تیار رہو، وہ لازمی ہے۔ عنقریب اس سے سابقہ پیش آ کے رہے گا۔ یہاں اس سنتِ الٰہی کو یاد رکھیے جو رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہے۔

بتوفیقِ ایزدی ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

رحمان آباد ——— ۳۰ ر نومبر ۱۹۷۳ء